رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

نگار

قواعد رسالہ "نگار"

۱۔ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے۔
۲۔ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا
۳۔ خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیے جسپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کر دیے جاتے ہیں
۴۔ جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۵۔ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہییں۔
۶۔ سالانہ قیمت پانچ روپیہ، ششماہی تین روپیہ۔ بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے۔

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۵ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے ان کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے۔

تعداد صفحہ	[illegible]	[illegible]
تین [illegible]	[illegible]	[illegible]
ایک [illegible]	[illegible]	[illegible]

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

قیمت پیشگی آنی لازم ہے

مولانا نذیر احمد
- نبات النعش ۹ر
- مراۃ العروس ۱۰ر
- توبۃ النصوح ۱۲ر
- موعظہ حسنہ عہ
- رویاے صادقہ عہ
- ایامی عہ
- فسانۂ مبتلا عہ
- ابن الوقت عہ
- مصائب غدر ۱۲ر

مولانا شبلی
- سیرۃ النبی جلد اول عہ
- " دوم عہ
- " سوم عہ
- الفاروق ۶ر
- سیرۃ النعمان عہ
- الغزالی عہ
- المامون عہ
- سوانح مولانا روم ۶ر
- سفرنامہ مصر و شام ۶ر
- علم الکلام ۶ر
- الکلام ۶ر
- رسائل شبلی عہ
- مقالات شبلی عہ
- شعر العجم جلد اول ہے
- " دوم ۶ر
- " سوم ۶ر
- " چہارم ہے
- " پنجم ۶ر
- موازنہ انیس و دبیر ہے
- مضامین عالمگیر ۸ر
- آغاز اسلام ۸ر
- کلیات فارسی ۶ر
- کلام شبلی اردو ۸ر

امیر مینائی
- صنم خانۂ عشق ۶ر
- مراۃ الغیب عہ
- محامد خاتم النبیین ۸ر
- صنمِ سخن عہ
- مکاتیب امیر مینائی ۶ر

رتن ناتھ سرشار
- سیر کہسار ہے
- خدائی فوجدار ۶ر
- جام سرشار ۶ر
- الف لیلہ طرز نادل عہ
- کامنی عہ
- سوانح عمر و عیار ۶ر

منشی سجاد حسین
- احمق الذی ۸ر
- حاجی بغلول ۸ر

[illegible]
- پیاری دنیا [illegible]
- کایا پلٹ [illegible]
- میٹھی چھری [illegible]
- طرحدار لونڈی [illegible]
- طلسمی فانوس [illegible]

جوالا پرشاد برق
- مرنالنی [illegible]
- مارآستین [illegible]
- بنگالی دلہن [illegible]
- معشوقۂ فرنگ [illegible]

بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ستمبر ۱۹۲۹ء

———	۲
ھندی اور بابلی علم الاصنام کی مشابہت　محمد نعیم الرحمن ایم اے	۹
بازگشت (فسانہ)　مجنوں گورکھپوری۔	۱۶
ہندوستان کیونکر فتح ہوا　عبدالقیوم رسا	۲۷
انارکسٹ (فسانہ)　طالب باغپتی	۳۷
تصوف اسلام　سید عبدالمالک آروی	۴۳
چند گھنٹے ایک مولوی کے ساتھ ———	۴۹
فسانہ عجائب کے اجزاء ترکیبی　«نقاد»	۵۷
...تی مآخذ۔ فلکیات و ریاضی میں　بدر اصلاحی	۶۷
ایک سیاح کی ڈایری ———	۷۱
منطوقات ناطق ———	۷۵
باب الاستفسار ———	۸۲
ہوا کا ترانہ (نظم) طفیل احمد شمیمی بی، اے	۸۷
سیر کہسار (نظم)　حافظ غازی پوری	۹۱
تربیت اطفال (نظم) محمود۔ اسرائیلی	۹۳
تحریص عمل (نظم)　امین حزین	۹۳
غزلیات ———	۹۴
معلومات ———	۹۵-۹۶

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد (۱۶)　　ستمبر ۱۹۲۹ع　　شمارہ (۳)

ملاحظات

آپ کو معلوم ہے کہ مذہبیات عالم میں سب سے زیادہ مہتم بالشان رفیع المرتبت و جلیل القدر ساعت ابتدائے ظہور آدم تا ایندم کونسی ہے۔ وہ ۶ ہر صفر ۱۳۴۸ھ یوم شنبہ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۲۹ع وقت ۲ بجے دن کی ہے جبکہ آفتاب ۱۲ درجہ، ۲۰ دقیقہ، ۴۰ ثانیہ پر مائل بمغرب قایم تھا اور تمام نجوم سعد کا قران اعظم فرنگی محل لکھنؤ کی محلسرا پر نور افگن

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ

و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد

حضرت قبلہ مولینا قطب الدین عبدالوالی صاحب مدظلہ فرنگی محلی سرپرست انجمن معید الاسلام نے دعوت خاص دی اکناف ہند کے تمام ممتاز علمأ کرام اور اکابر رہنمایان قوم کا (اڈیٹر تہمت کی زبان میں) شاندار اجتماع ہوا لامذہبی اور دہریت کے انسداد کی تدابیر پر "غور و مشورہ" کیا گیا اور اس طنطنہ و دبدبہ اور اس شوکت و جبروت کے ساتھ کہ

تزلزل در ایوان کسرے فتاد

راویان خجستہ اطوار و پیام رسانان ذی جاہ و وقار متفقہ طور پر یوں زمزمہ پرداز ہوتے ہیں کہ ٹھیک اسی وقت جبکہ یہ اجتماع فرنگی محل میں برپا ہو رہا تھا،

امریکہ میں بہ مقام واشنگٹن، ایران میں بمقام طہران، ترکی میں بہ مقام انگورا، روس میں بمقام لینن گراڈ، اطالیہ میں بمقام وٹیکن، اور نظیر آباد میں بمقام دفتر نگار سخت خطرناک زلزلہ کے آثار محسوس ہوئے، روشنی کے منارے بجھ گئے، مشینیں چلتے چلتے رک گئیں کلیساؤں کے گھنٹے زمین پر آرہے، ماہی زمین نے کروٹ لی، قطب اپنی جگہ سے ہٹتے ہٹتے رہ گیا اور کوہ طور پر بجلی چمک چمک کر

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوح

جناب مولانا قطب الدین عبد الوالی صاحب نے اپنی "مؤثر و ایمان آفریں" انداز میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

لامذہبیت اور زندقہ کا سیلاب ہندوستان میں بڑھ رہا ہے اور تحریروں و تقریروں میں جس طرح مذہب کو بازیگاہ بنایا جا رہا ہے وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں، افغانستان ایران جس طرح آزاد ہو رہے ہیں وہ ایسی چیز نہیں ہے جس کا اثر ہندوستان پر نہ پڑے، اس لئے ضرورت ہے کہ علمائے کرام بہت جلد اپنے فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ادا کرنے کے واسطے میدان عمل میں اتر آئیں۔

اس کے بعد متعدد "مولاناؤں" نے جنہیں بہ لحاظ حجم مولینا شوکت علی و بہ لحاظ انحنار مولانا آزاد سبحانی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں اپنی "قیمتی تقریروں" میں "فاضل مقرر" کی تائید کرتے ہوئے علمائے کرام کی مستعدی و فرض شناسی کی ضرورت کا اعتراف کیا اور اس طرح گویا اصولاً تحریک کی ضرورت پر مہر توثیق ثبت ہو گئی۔

اس کے بعد مولینا شہید انصاری نے بعض "بزرگان قوم" کے خطوط کا خلاصہ سنایا جنہوں نے اس مقصد سے اظہار ہمدردی کیا تھا اور پھر "مختلف علمائے کرام" کا ایمان افروز اور خلوص پرور بیان پیش ہوا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ :-

مغربی تعلیم۔ یورپی معاشرت اور فرنگی مادہ پرستی کا ایک خطرناک اثر ہندوستان میں یہ ہوا کہ بہت سے لوگ آزادی مذہبی بلکہ لامذہبی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ارکان دین میں ترمیم کی ضرورت ہے کوئی سمجھتا ہے کہ دین کی مطلقاً ضرورت نہیں کسی کا خیال ہے کہ دین و علمائے مذہبی آزادی و ترقی کے لئے سنگ راہ ہیں اور جس قدر جلد ممکن ہو ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ غرض آزادی مذہبی مختلف صورتوں میں رونما ہو رہی ہے اور روز بروز اندر ہی اندر جدید نسل کے قلوب میں گھر کر رہی ہے، یہاں تک کہ بعض نام نہاد حاملان دین بھی اس سیلاب میں بہہ گئے ہیں ہندوستان کے نوجوان مختلف جماعتوں کے نام سے منظم ہو رہے ہیں جو علی الاعلان کہتے ہیں کہ کسی مذہب کو زندہ نہ رہنے دو۔ اور قصر مذہب کی اینٹ سے اینٹ بجا دو ان لوگوں نے مذہب کے خلاف عام بغاوت کا اعلان کر دیا ہے۔ اور نئے فتنہ کے احیاء و ابقا میں سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں اس مسئلہ عظیم سے اگرچہ دیگر اقوام کو بھی نقصان پہونچیگا لیکن وہ قوم (مسلمان) سب سے زیادہ خسارہ میں رہیگی جنکی قومیت سیاست اور وطنیت سب مذہب ہی ہے اور جنکی اخروی نجات کا انحصار اسلام ہی پر ہے، ان حالات اور انکے خوفناک نتائج کو محسوس فرما کر انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل لکھنؤ نے ۲۳ و ۲۴ اگست ۱۹۲۹ء کو ہندوستان کے ہر طبقہ کے علماء کو مدعو کیا اور مقتدر اعیان ملت سے بھی مشورہ لیا گیا۔ اس جلسہ مشاورت نے بالاتفاق مقتدر علماء کی ایک کمیٹی بنادی جو اسباب مذہبی کے انسداد پر غور کریگی۔ سو ہم دستخط کنندگان یہ اعلان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ قوم مسلمین کی پناہ و حفاظت اور انکی دینی و دنیوی نجات اسلام اور صرف اسلام ہی سے وابستگی پر منحصر ہے آزادی رپ کی

ترقی یافتہ قومیں آجتک نام نہاد مسیحیت کی پرستش کرتی ہیں۔ بائیس کروڑ ہندو برادران وطن اسکی سر فروشانہ جدوجہد کر رہے ہیں کہ ویدک دھرم کی ہر رسم کی حفاظت کی جائے۔ ہمارا اسلام دین فطرت ہے اور خالق فطرت کی حکیمانہ تشریحات کا مقدس مجموعہ ہے وہ جہاں روحانیت و اخلاق کا بحر ذخار ہے وہاں سچی وطنیت اور سچی آزادی کا بھی علم بردار ہے، لہذا ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ وہ پکّا اور سچا مسلمان بنے۔ اسلام ہی اسکی عقاید کی روح ہے اور وہی اسکی زندگی کے ہر لمحہ میں رہبر و راہ نما۔ نیز اوسے چاہئے کہ اپنے قول و فعل کی تمام طاقتوں سے لامذہبی اور الحاد کو پامال کرے اور خدا کے بندوں کو خدا کی بغاوت سے روک دے۔ اس بارہ میں داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اُسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین ہادی ہے، اور ہمارا فرض ہے کہ دین و دنیا کے اس محسن اعظم کی ہر سنت کو زندہ رکھیں اور خود زندہ رہیں۔

اس کے بعد بعض علمار کرام کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور یہ ڈراما اس طرح ختم ہوا، کہ دستور العمل بنانے کے لئے مولانا آزاد سبحانی اور سید جالب کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں!

یہانتک تو "اُس اہم جلسہ" کی کارروائی کا بیان تھا جو ۲۰ اگست کو فرنگی محل میں لامذہبیت و دہریت کے انسداد کے لئے قایم ہوا، لیکن آیئے ساتھ ہی ساتھ "اس جلسہ" اور "ارکان جلسہ" کی حقیقت پر بھی اک نظر ڈال لیں، کیونکہ ممکن ہے یہ کہانی پھر دوبارہ آپکے سننے میں نہ آسکے۔

سب سے پہلا سوال ان جلسہ کرنے والوں سے یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپکو علمار کرام میں کس استحقاق سے شمار کرتے ہیں اور ایک عالم کی وہ کیا خصوصیات ہیں جن کا حامل وہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔

کیا فرنگی محل کی سکونت، کیا دیوبند کا قیام، کیا درس نظامی کی چند کتابوں یا اس سے بھی زیادہ "یک خروار کتابوں" کا مطالعہ ایک شخص کو علمائے کرام میں شامل کر سکتا ہے؟ کیا عالم نام ہے صرف اس شخص کا جو بالکل مقلدانہ و غیر مجتہدانہ طور پر چند مسایل فقہیہ کا علم رکھتا ہو، کیا ایک عالم کا تشخص منحصر ہے محض اس امر پر کہ اسنے چند کتابیں حدیث کی پڑھ لی ہوں، کیا عالم کی پہچان یہی ہے کہ وہ عمامہ و عبا سے کبھی منفک نظر نہ آتا ہو، کیا عالم حقیقتاً وہی ہے جو صرف خوش بیان واعظ اور خوش الحانی سے مثنوی مولانا روم کے اشعار پڑھ سکتا ہو؟ کیا عالم اسکو کہتے ہیں جو اپنے آپکو مسجود دنیا سمجھے اور اپنے سوا سارے عالم کو حقیر و ذلیل۔ اگر واقعی ایک شخص انہیں خصوصیات کا حامل ہونے کے بعد عالم کہلائے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے تو کس کے منہ میں زبان ہے کہ اس جلسہ کی اہمیت سے انکار کرے۔ لیکن اگر عالم کہتے ہیں نبض شناس فطرت کو، اصلاح ملک و قوم کے لئے تمام دنیاوی اغراض کو ترک کر کے ایثار و قربانی کا عملی درس دینے والے کو، اس صالحیت و صلاحیت کے حامل کو جس کے لئے وراثت ارض کا وعدہ خدائے قدوس نے کیا ہے، ان مصلحان بے نفس کو جو سینوں کو بغض و حسد سے، دلوں کو نفاق و ریا سے پاک کر کے محض خالصتہً للہ ہدایات خداوندی پر عامل ہو کر دوسروں کے لئے دلیل راہ بنتے ہیں، اور اگر عالم کی ذات عبارت ہو اس استقامت عمل، اس استواری عزم اور اس روحانیت اخلاق سے جس کا لازمی نتیجہ دنیا میں ہمیشہ ایک اور صرف ایک (انتم الاعلون) ظاہر ہوا ہے، تو میں کہونگا کہ علمائے کرام کے لئے یہ زیادہ موزوں ہوتا کہ وہ دوسروں کے ایمان کا جائزہ لینے کے

بجائے پہلے خود اپنے ہی اخلاق و اعمال کا احتساب کرتے اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہونیکے بجائے پہلے وہ اپنی ہی اصلاح سے فارغ ہو جاتے اور بجائے قال کے وہ صرف اپنا حال پیش کرتے کہ دنیا از خود انکی طرف جذب ہو جاتی

آج فرنگی محل میں علمائے کرام کی ایک جماعت ملک کے اندر دہریت و لامذہبیت کی اشاعت پر ماتم کرنے کے لئے فراہم ہو جاتی ہے، لیکن اس سے قبل کبھی اس کی توفیق اس کو نصیب نہیں ہوتی کہ وہ ضلالت و گمراہی کی تقسیم کر کے یہ متعین کرتی کہ اگر دنیا لامذہبیت کی بلا میں گرفتار ہے تو وہ خود صراطِ مستقیم سے منحرف ہونے میں کس نوع کی گمراہی کا اپنے آپ کو مجرم قرار دیتی ہے

جہانتک اعلان و نمایش کا تعلق ہے بیشک یہ اپنے آپ کو علمائے کرام کہنے والا گروہ بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یقیناً وہ نمازیں زیادہ پڑھتا ہے، پیشانی پر اثر سجود کو بھی نمایاں کر لیتا ہے، صیام کے سلسلہ میں ہزاری روزہ بھی ترک نہیں کرتا اور جب حج کو جاتا ہے تو وہاں سے خاکِ شفا کی تسبیح اور ماء زمزم بھی اپنے احباب و اعزہ کے لئے لاتا ہے۔ لیکن اگر ایمان و اسلام کا تعلق بطون سے ہے، اگر عبادات سے مقصود تزکیۂ نفس و اخلاق اور تصفیۂ قلب و روح ہے، تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ محشر میں ان علمائے کرام کیلئے کوئی علیحدہ صف قائم کیجائیگی

آج یہ "علمائے کرام" کا گروہ اس کا تو شاکی نظر آتا ہے کہ "لوگ مذہبی آزادی بلکہ لامذہبی کا شکار ہو رہے ہیں" لیکن خود اپنے گریبان میں منہ ڈالکر یہ غور کرنیکی توفیق کبھی نہیں ہوتی کہ "یہ آوردۂ تست" تو نہیں ہے، وہ زمانہ گیا جب ایک طرف "حق را بسجودے و نبی را بدرودے" کا افسوں کارگر ہو جاتا تھا اور دوسری طرف دامنِ امید پر۔ اب دنیا ایک خاص اضطراب میں مبتلا ہے، علوم و فنون کی ترقی سے عقول انسانی ترقی یافتہ ہو کر مطالبہ کر رہی ہیں کہ سب سے زیادہ مدعی صداقت مذہب، سب سے زیادہ ثبوت اپنے فطری ہونے کا دے اور علماء کی تنگ نظری، بیکسی و بیچارگی، تہی مایگی و ناداری کا یہ حال ہے کہ اگر انکے منقولات کے دفتر کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر سوائے کافر کہدینے اور گالیاں دینے کے اور کوئی ذریعۂ تعریب و دفاع ان کے پاس نہیں رہجاتا کیونکہ خود اپنے اندر کوئی قوت اخلاق و روح کی ایسی ہی نہیں جو دوسروں پر اثر ڈال سکے

جس وقت کسی گوشہ سے یہ صدا آجاتی ہے کہ "علما کا جلد سے جلد خاتمہ کر دیا جائے کیونکہ وہ آزادی و ترقی کے لئے سنگ راہ ہیں" تو یہ اپنی گردن چھڑانے کے لئے بہت اچھلتا کودتا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ جو چیز عملاً بیکار ہو جاتی ہے وہ اصولاً آپ ہی حذف ہو جایا کرتی ہے، اسکا خاتمہ تو اسیوقت ہو گیا جب اس نے دین کو ذریعۂ رزق قرار دیا۔ خدمت دینی کا منصب خدا نے اسیوقت اس سے چھین لیا جب اس نے اپنے آپکو ایک بت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا

وہ یہ زبان سے تو ضرور کہتا ہے کہ:۔

"ہمارا اسلام دین فطرت ہے، خالق فطرت کی حکیمانہ تشریح کا مقدس مجموعہ ہے، وہ سچی وطنیت اور سچی آزادی کا علمبردار ہے"

لیکن عمل کے لحاظ سے اسکی تعلیم یہی ہوتی ہے کہ اسلام نہ وطنیت کا حامی ہے نہ آزادی کا علمبردار، نہ اسمیں کوئی حکیمانہ تعلیم ہے اور نہ مصلحانہ تبلیغ، بلکہ وہ بالکل غیر فطری، غیر الٰہی، اور غیر مہذب مذہب ہے جو دنیا میں صرف خود غرضی اور نفس پرستی کی اشاعت کے لئے رونما ہوا

ایک عالم یہ ضرور کہتا ہے کہ:۔

"داعی اسلام رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین ہادی ہے"

لیکن نہ وہ اسوۂ حسنہ کے مفہوم سے واقف ہے اور نہ داعی اسلام کے اخلاق و عادات سے، اس نے اس قسم کے چند الفاظ محض گرمیٔ سخن قائم رکھنے کے لئے یاد کر لئے ہیں، قلب و روح کی حرارت کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا یہ علمائے تاریخ اسلام سے مطلق واقف نہیں اور کیا انہیں نہیں معلوم کہ جب عہد عباسیہ میں اسلام کو ایک خدائی و فطری مذہب کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا اور دیگر ملل و مذاہب کے علماء و حکماء کو اس کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی گئی تو کتنے جدید مسائل بروئے کار آئے اور اس عہد کے علماء و متکلمین نے کس وسعت نظر اور مصلحت اندیشی سے کام لیا۔ اور کیونکر انہوں نے منقولات کو علیحدہ رکھکر صرف معقولات کی مدد سے فریق مخالف کو اسلام کا مدّاح بنا لیا۔ پھر آج جبکہ عباسیہ کے وقت سے زیادہ علم کی روشنی پھیل چکی ہے اور اس وقت سے کہیں زیادہ تنقید و تحقیق کے ذرائع لوگوں کے ہاتھ آ گئے ہیں، آپ کا اپنے منقولات کا دفتر لے کر بیٹھ جانا کیا فائدہ پہونچا سکتا ہے، اور اگر آپ یہ دعوی کریں کہ نہیں آپ معقولات میں بھی اپنے خصم کو ساکت کر سکتے ہیں، تو معاف فرمائیے میں اسکو سوائے "دخل در معقولات" کے اور کسی چیز سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ کے یہاں کے معقولات تو اب دفتر پارینہ ہیں اور معقولات جدیدہ کی آپ کو ہوا بھی نہیں لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسوقت کی جماعت علمائے کرام بالکل ایک (FOSSIL) "متحجر" چیز ہے اور موجودہ کاروبار حیات میں اسکا وجود مایۂ اعتبار و بینش کی حیثیت تو رکھ سکتا ہے، لیکن اسے سرمایۂ حیات و زندگی نہیں کہہ سکتے۔

میں ان تمام "علمائے کرام" سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اسوقت تک انہوں نے کونسی دینی خدمت انجام دی ہے؟ کیا حلال و حرام کے معمولی مسائل بتا دینا، کیا مساجد میں امامت کر لینا، کیا مجالس میلاد میں وعظ کہدینا، کیا رنگون و برما جا کر جاہل و احمق مسلمانوں سے خلافت و تبلیغ کی بے معنی تحریک کے لئے چندہ وصول کر لانا، کسی آریہ کی کتاب کا جواب لکھ دینا، تقلید و عدم تقلید کے مسئلہ میں مناظرہ کر لینا، ایسی اہم خدمات ہیں جو ایک شخص کو علماء میں داخل کر سکتی ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر میں دعوی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان علمائے کرام میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کو صحیح معنوں میں ہادی و مرشد یا عالم و فاضل کہہ سکیں۔

جہانتک علم ظاہر کا تعلق ہے ان کی بے مائگی کا یہ عالم ہے کہ سوائے ان چند دقیانوسی کتابوں کے جو انہوں نے کسی وقت مدرسہ میں پڑھ لی ہیں اور جنکی صحت پر اب بھی انہیں ایسا ہی ایمان ہے جیسے اندھے کو اپنے زوال بینائی کا، انکو کچھ خبر نہیں کہ دنیا میں کتنے نئے علوم و فنون رونما ہو گئے ہیں اور عقول انسانی نے کسقدر ترقی کر لی ہے، نہ انکا مطالعہ وسیع، نہ انکی معلومات عامہ درست، نہ انکا ذہن ترقی یافتہ، نہ انکی عقل صحیح و پختہ، نہ ان میں بالغ نظری ہے نہ نکتہ رسی، نہ مصلحت اندیشی ہے نہ دیدہ وری، دوسری قوموں کے علوم و فنون سے واقف ہونا تو درکنار ان غریبوں کو خود اپنے یہاں کے علوم کی بھی خبر نہیں، یہانتک کہ اگر آج ان سے دریافت کیا جائے کہ اسوقت سب سے بہتر کتاب فن تنقید میں کونسی سمجھی جاتی ہے تو وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے، وہ اب بھی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ جو ایک درجن کتابیں انہوں نے پڑھ لی ہیں، اس سے زیادہ علوم اسلامی کے حدود وسیع ہو نہیں سکتے، اور وہ زمانہ کی رفتار سے اسقدر بیگانہ ہیں کہ اگر آج مصر کی جدید کتاب انکے سامنے رکھدی جائے تو وہ ایک صفحہ بھی اسکا نہ سمجھ سکیں گے اور حیران رہ جائینگے کہ یہ کونسی نئی زبان اسقدر جدید اصطلاحات کے ساتھ پیدا ہو گئی ہے۔ یہ ہے انکی عربی دانی کا حال، فارسی زبان چونکہ آتش پرستوں کی ہے اسلئے وہ اسے کیا حاصل کر سکتے ہیں، رہگئی اردو، سو اسکے متعلق شاید وہ فخر کے ساتھ کہہ سکیں گے کہ اس میں کمال حاصل کرنا انکی شان کے منافی ہے، مغربی علوم و فنون کا کیا ذکر ان غریبوں کو تو انکے نام بھی نہیں معلوم

علم باطن جس کا تعلق یکسر اخلاق و روحانیت سے ہے، اس کا ذکر فضول ہے کیونکہ اس کا دعوی شاید انہیں بھی نہ ہوگا اور بجز اس کے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ لفظ فقیر کا اضافہ کرکے ایک ہلکی سی جسارت اس نمائش کی کریں اور زیادہ ان کے بس کی بات نہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دنیا انہیں خوب جانتی ہے۔ رہی اس گروہ کی قوت عمل سو اسکی مثالیں بھی کثرت سے موجود ہیں اور آگرہ کا وہ منظر سامنے ہے جب اس سے کہیں زیادہ جوش و قوت کے ساتھ مذہبی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی تھی، لیکن اسکا دوسرا جلسہ ہونیکی نوبت اسوقت تک نہیں آئی

پھر جب حالت یہ ہے تو میں حیران ہوں کہ یہ اپنے منھ سے اپنے آپ کو بغیر کسی استحقاق بعید کے بھی "علماء کرام" کہنے والا گروہ (بقول صاحب) کن "محفوظ النفس" کے ماتحت اس جسارت پر آمادہ ہوا ہے اور دہریت و لامذہبیت کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے، جبکہ وہ ابھی تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ جسکو وہ "لامذہبیت" کے نام سے موسوم کرتا ہے حقیقتاً اسلام وہی ہے، اور موجودہ اضطراب حقیقتاً مذہب کے محو کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ انہیں علمائے کرام کے بت توڑنے کے لئے پیدا ہوا ہے

یہ لوگ بالکل غلط کہتے ہیں کہ اسوقت بیدینی اور لامذہبیت کے خیالات پھیلتے جا رہے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اب علماء سوء کے عذاب کو اپنے اوپر زیادہ عرصہ تک مسلط نہیں رکھنا چاہتی اور اس کو مٹا دینے کے لئے آمادہ ہو گئی ہے اس لئے جو کچھ اس جلسہ میں بیان کیا گیا، بالکل خلاف حقیقت ہے اور صداقت سے یکسر دور، جو خوف انہیں اپنی ذات سے متعلق ہے اسے اسلام سے کیوں وابستہ کرتے ہیں۔ اور اگر اسلام عبارت ہے انہیں کی ذات سے تو پھر یقیناً "انہدام اسلام" ہی انسان کا فرض اولین قرار پائے گا

اس جلسہ کی کارروائی میں متعدد جملے ایسے نظر آتے ہیں جن سے انتہائی انہماک اور مستعدی کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جو کمر ہمت آج فرنگی محل کی مجلس امیں کسی گئی ہے وہ داور حشر کے سامنے ہی کھلے تو کھلے لیکن میں اس کے اعتراف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ

ہے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

گزشتہ دو ماہ کے اندر جو مطبوعات موصول ہوئے ہین، ان پر اس مہینے کے نگار مین ریویو نہین کر سکا، ماہ آیندہ مین اسکا امکان ہے لیکن انھین کتابون مین ایک چیز ایسی موصول ہوئی ہے جس کا ذکر مین جلد سے جلد کر دینا چاہتا ہون اور وہ قانون مسعودی جلد چہارم کے ایک حصہ کا ترجمہ ہے جو نمونتاً مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی طرف سے بہ طلب آراء شایع کیا گیا ہے۔

قانون مسعودی، البیرونی کی نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ریاضیات فلکی پر ہے جس کے ترجمہ کا خیال سب سے پہلے نواب محمد اسحاق خان مرحوم کو پیدا ہوا تھا لیکن یہ ارادہ قوت سے فعل مین نہ آسکا

اب ہمارے فاضل دوست مسٹر محمد فاروق ام اس سی اس خدمت کے لئے منتخب ہوئے ہین انھون نے فی الحال صرف ۸ صفحات کا ترجمہ (بزبان انگریزی) معہ حواشی و استدراکات کے پیش کیا ہے اور موضوع کی دشواری کے لحاظ سے جس وقت اس کوشش پر نگاہ پہنچاتی ہے تو بقول ہمارے ایک دوست کے فاروق صاحب کو بالکل "دیوتا" ماننا پڑتا ہے۔ انھون نے چار قدیم نسخون سے مقابلہ کر کے

اصل کتاب کو مرتب کیا ہے اور پھر اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ جو (اصطلاحات ریاضی کو علیحدہ کرنے کے بعد) بے انتہا صاف و سلیس ہے، ہر اس تصریح توضیح کا اضافہ کیا ہے جو اس کتاب کو سریع الانتقال الی الذہن بنانے کے لئے ضروری تھا۔

ہمارے نزدیک جناب فاروقی کا یہ کارنامہ ان کی اُس قوت کا منہ کا اعجاز ہے جس کا علم شاید انھیں بھی اس سے قبل نہ رہا ہوگا۔ ہم کو امید ہے کہ ارباب یونیورسٹی اب اس سلسلہ کو منقطع نہ ہونے دینگے اور فاضل مترجم کو ہر وہ آسانی فراہم کرینگے جو اس کام کو جلد انجام تک پہونچانے مین مفید و معاون ہو سکے۔ ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی عبارت بھی ایک مرتب کی تمام ذمہ داریون کے ساتھ درج کتاب کی گئی ہے اور اس طرح فاروقی صاحب بیک وقت دو نہایت مشکل مگر بے انتہا ضروری خدمت علم انجام دے رہے ہین۔

اس اشاعت کا پہلا مضمون ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد نعیم الرحمان ام۔ اے کا ہے جو آیندہ ماہ مین غالباً ختم ہو جائے گا، تعارف و تقریب کی ضرورت نہین کیونکہ صاحب مضمون اور مضمون دونون خود آپ اپنی سفارش ہین۔

مجنون کا فسانہ ماہ آیندہ مین ختم ہو جائیگا۔ چونکہ مجنون کے اکثر افسانے ہارڈی کے مطالعہ کا نتیجہ ہوتے ہین اس لئے ان مین ایک خاص قسم کے دل دُکھا دینے والی ٹریجڈی کا پایا جانا ضروری ہے۔ ہر چند وہ ہارڈی کی طرح خدا کو صرف اہرمن سمجھنے والے تو نہین ہین لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا سے کچھ زیادہ خوش بھی نہین ہین۔

انارکسٹ، ایچ۔ جی ویلس (عہد حاضر کی نہایت ہی مشہور انشا پرداز) کے ایک فسانہ کا ترجمہ ہے۔

جناب بدر اصلاحی کا مضمون مشرقی تاثر پر خوب ہے۔ فسانۂ عجائب اس ماہ مین ختم ہو گیا ناظرین نے اس مضمون کو پسند کیا اور نقادوں کے تحقیق کی کافی داد دی لیکن مجھے کہیں کہیں اُن سے جادۂ اعتدال چھوڑ دینے کی شکایت ضرور ہے

تین مضمون اُن حضرات کے ہین جنھون نے اپنے نام کے اظہار کی اجازت نہین دی اور تینون مضمون چونکہ تنقیدی ہین اس کے لئے اظہار نام کی چندان ضرورت بھی نہ تھی۔

جناب ناطق کی غزل پر جو تنقیدی مضمون موصول ہوا تھا وہ کافی حذف کرنے کے بعد شایع کیا جا رہا ہے، اب بھی بعض مقامات کے لب و لہجہ سے مجھے اختلاف ہے۔

آیندہ اشاعتون مین بعض نہایت ہی دلکش و مفید مضامین شایع ہونے والے ہین۔ منجملہ اُن کے ایک کلام حزین پر تبصرہ ہے جو بہت کاوش سے لکھا گیا ہے، اس طرح مصحفی کی شاعری پر ایک صاحب نے جو یادگار مصحفی ہین، بسیط مضمون روانہ کیا ہے۔ مین نے بھی ایک افسانہ لکھا تھا جو اس ماہ مین نہ شایع ہو سکا آیندہ اشاعت مین درج ہوگا۔ ایک مختصر سا مضمون میرا حجاب کی شاعری پر آئندہ اشاعت مین درج ہوگا جو سلطنت اودھ کے عہد شباب کی ایک شاعرہ امیرزادی تھی اور حقیقتاً شعر کہتی تھی اسیطرح مولانا کیفی چریاکوٹی کا ایک عالمانہ مضمون مومن کی شاعری پر شایع ہوگا

ظفر کے متعلق جو حضرات مضامین لکھ رہے ہین ان کو یہ اطلاع دیدینا ضروری ہے کہ ستمبر بہت قریب ہے اور زیادہ سے زیادہ اکتوبر کے آخیر تک ظفر نمبر کی کتابت شروع ہو جائے گی

نیاز

ہندی اور بابلی علم الاصنام کی مُشابہت

متھیا (دیومالا، متھالوجی، علم الاصنام، خرافیات، وغیرہ جس نام سے چاہیے اُسے موسوم کیجئے) ایک جامع اصطلاح ہے اور اُن تمام قصون اور روایتون پر حاوی ہے جو دُنیا کی مختلف اقوام مین قدیم اور قدیم ترین زمانے مین رائج تھین اور جن پر وہ ایسا ہی راسخ اعتقاد رکھتے تھے جیسا آج ہم اپنی جدید سے جدید معلومات پر رکھتے ہین۔ اور زیادہ تفصیل سے یون کہا جاسکتا ہے کہ ان روایات مین آفرینش کی ابتدا، کائنات کی پیدائش، خدائی یا انسان سے بالاتر اشخاص کی پیدائش اور اُن کے اعمال اور افکار سے بحث ہوتی ہے کہ یہ حضرات کیونکر پیدا ہوئے، اُنھون نے کیا کیا کمالات حاصل کئے، کون کون سے کارہائے نمایان کئے، تمام بنی نوع انسان یا اپنے خاص فرقے اور قبیلے کی انھون نے کیا کیا خدمت کی، دُنیا کی حکومت مین انھون نے کیا حصہ لیا، انسان کے ساتھ اُن کی دوستی اور دشمنی کا کیا رنگ تھا، خود اُن کے آپس مین تعلقات کیا اور کیسے تھے، وغیرہ وغیرہ، دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی کی ابتدائی منزلون مین ایسی روایات اور خُرافات کا ذخیرہ رکھتی تھی۔ ان مین سے اکثر قومون کی متھیا دریافت کی جاچکی ہے اور جو باقی ہین ان کے متعلق علم حاصل کرنے کی برابر کوشش کی جارہی ہے

مختلف ملکون اور قومون کی متھیا کے مطالعہ مین ایک نہایت دلچسپ بات جو فوراً ذہن مین آتی ہے یہ ہے کہ کئی کئی اقوام اور ممالک کے باشندون کے خیالات اور عقیدے آپس مین ایک دوسرے سے بہت کچھ مشابہ تھے۔ نہ صرف یہ کہ ایک ہی خاندان کی مختلف اقوام کے خیالات ایک ہی اسلوب اور نہج پر نظر آتے ہین، بلکہ مختلف خاندانون کے اور ایک دوسرے سے معقول فاصلے پر بسنے اور رہنے والی قومون کے خیالات بھی آپس مین مُشابہت رکھتے ہین۔ اس وقت ذیل کی سطرون مین بابل اور ہندوستان کی متھیا کی مشابہت دکھانا مقصود ہے۔ اس غرض سے مجھے جو جو روایات اور قصے ایسے مل گئے ہین جن مین بابل اور ہندوستان آپس مین شریک ہین، وہ قلمبند کردیئے ہین، ہندوستان کی قدیم عظمت اور جلال کے ثبوت کے لئے غالباً یہی چند مثالین فی الحال کافی ہونگی

لیکن قبل اس کے کہ بابلی اور ہندی علم الاصنام یا متھیا کی روایات کی مُشابہ تصویرون کو پیش کیا جائے یہ عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کا زمانہ (عام اس سے کہ وہ بابل کے متعلق ہو یا ہندوستان کے) معین کرنا نہایت دشوار ہے۔ اس ضمن مین صرف دو باتین کہی جاسکتی ہین۔ ایک تو یہ کہ ان روایات کا زمانہ غالباً تین اور چار ہزار سال قبل مسیح سے لے کر ایک ہزار اور پانچ سو سال قبل مسیح تک کا ہے، دوسرے یہ کہ اغلب امر یہ ہے کہ یہ روایات بابل سے ہندوستان پہنچی ہین اب خواہ اُنہین آریا قوم وہان سے اپنے ساتھ لائی ہو (اور یہ امر آجکل مستشرق علماء کے ہان زیر بحث ہے) ———

———— ، خواہ ہندی سوداگرون اور سیاحون کے

————————————————

ذریعہ سے ہمارے ملک میں پہنچ گئی ہوں۔ اور اس لحاظ سے غالباً ہندی کی ان روایتوں کا زمانہ بابلی روایتوں کے بعد آتا ہے۔
چونکہ زمانہ کا ذکر ہو رہا ہے، اس لئے سب سے پہلے اسی سے شروع کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱- جگ

ہندی (اور اسی طرح یونانی اور آئرلینڈی) متھیا میں دُنیا کی عمر کو چار زمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چاندی (سفید) سونا، (زرد)، برنج (سُرخ) اور لوہا (سیاہ)، جن کو ہمارے ملک میں بالترتیب کرت جگ، ترتیت جگ، دوآپر جگ اور کل جگ کہتے ہیں۔ قدیم ہندی حساب سے ایک مہا جگ ۴۳۲۰۰۰۰ (تینتالیس لاکھ بیس ہزار) برس کا ہوتا ہے اسی طرح اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ اُن کے ہاں "طوفان" سے پہلے دس بادشاہ راج کر چکے تھے اس تمام مدت کا مجموعہ ۱۲۰ (ایک سو بیس) "سروہی"، ہوتا ہے، اور چونکہ ایک سروی میں ۳۶۰۰ (تین ہزار چھ سو) برس ہوتے ہیں، اس لئے ۱۲۰ سروہی، ۴۳۲۰۰۰ (چار لاکھ بتیس ہزار) برس کے برابر ہوئی۔ اس رقم کو اگر دس سے ضرب دیا جائے تو وہی ہندی مہا جگ کے تینتالیس لاکھ بیس ہزار سال پیدا ہوتے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل اور ہندوستان دونوں میں وقت اور جگہ (زمان و مکان) کا اندازہ کرنے کے لئے دس (۱۰) اور چھ (۶) کے ہندسوں سے بہت کام لیا جاتا تھا، کیا عجب ہے کہ ہندی اور بابلی حساب کے طریقہ کی بناء ایک ہی ہو، اور یہ امر بھی نہایت دلچسپ ہے کہ آجکل تمام دُنیا ایک ڈگری سے لے کر گھنٹہ تک (جو وقت کی پیمائش کے اُصولی ذریعے ہیں) ۱۰×۶ (=۶۰) ہی کے حساب سے کام کر رہی ہے!

۲- برہما....

جس طرح ہندی متھیا میں (چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں سے قطع نظر کر کے) تین بڑے خدا مانے گئے ہیں، اسی طرح اہل بابل کے بھی تین بڑے خدا تھے۔ بابل کی خدائی تثلیث میں آنو، بعل، انلیل اور آنو کو بالکل وہی خدائی کاروبار سپرد تھے (بلکہ اب بھی ہیں!) وشنو جی کی طرح آنو بھی دُنیا کا پالنے پوسنے، زندہ سلامت رکھنے اور حفاظت کرنے والا تھا، شو جی کی مانند بعل انلیل کو مارنے اور غارت، برباد، ہلاک اور تباہ کرنے کی خدمت سپرد تھی، اور برہما جی کی طرح اَن دیوتا بھی سب کا پیدا کرنے والا اور سب کا باپ تھا، کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودی قوم کا ایک حصہ جب عرصہ تک ایک کیلئے "یہووا" کا نام سنتے سنتے اور جپتے جپتے تنگ آگیا تو اُس نے اُسے معزول کر کے پھر ایک مرتبہ باپ، بیٹا اور روح القدس کے نام سے اپنے پُرانے تین خداؤں کو زندہ کر کے بٹھا دیا اور اپنے اس کمال کی داد کو پاک و بے گناہ یسوع مسیح کے نام پر وقف کر دیا چنانچہ دُنیا کی انسانی آبادی کا ایک معتدبہ حصہ آج بھی ان کی داد دے رہا ہے۔ بلکہ اشوریا کا خدا اشور جگ دیوتا تھا، ہندوستان کے برہما کی طرح وہ بھی برماتما اور پرمیشور تھا، سارے جہان کا خالق، نگہبان، محافظ اور ہلاک کرنے والا تھا آگ، پانی، زمین، ہوا، آسمان، سورج، چاند، ستاروں اور بجلی کا بھی خدا تھا، گویا اَن اور اشور وہاں کے برہما تھے

۳- اِندر

بابلی متھیا میں رمّن دیوتا ہوا، گرج اور بجلی کا دیوتا تھا، وہ پانی برساتا، اناج پیدا کرتا اور باہم لوگوں میں فساد ڈالتا اور لڑائیاں کراتا تھا، وہ عموماً پہاڑوں پر رہتا تھا اور وہیں سے اپنے فرائض منصبی ادا کیا کرتا تھا، وہ مغرب سے آریا قوم کی رو کے ساتھ چل کر پنجاب کے راستے ہمالیہ پہنچا اور وہیں قیام کیا۔ یہاں وہ 'اندر' دیوتا کے نام سے مشہور ہوا۔ اندر دیوتا کے بھی بعینہ وہی سب کام ہیں جو بابل میں 'رمن' کے سپرد تھے، وہ بابل میں 'تمّوز' کے نام سے سردی اور آندھی کے، اور ہندوستان میں 'اندرا' کے نام سے خشک سالی کے دیوؤں کو قتل کرکے پانی برساتا اور اناج پیدا کرتا تھا، وہاں بابلی اور یہاں ہندوستانی اپنے اس ان داتا کو خوش رکھنے کے لئے انسانوں کی قربانیاں چڑھاتے (اور اس غرض کے لئے عموماً غیر ملکوں سے لوگوں کو قیدی بنا بنا کر لاتے) تھے اس خدمت کے معاوضہ میں ان داتا انھیں کھانے پینے کو دیتا تھا! بابل کے رمن کی طرح ہندوستانی اندر بھی ہر سال مرجاتا تھا۔ چنانچہ مہابھارت (آدی پرب) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پانڈو بھائی اصل میں پانچ پرانے اندر تھے جو اپنے اپنے وقت میں مرچکے تھے

بابل کا میرودخ دیوتا اپنے باپ آیع کے مرنے کے بعد اژدھوں کے مارنے کی خدمت پر سرفراز ہوا تھا، اسی طرح ہندی اندر نے بھی اپنے باپ دیوس کو مار کر اس کے خدائی کاموں کو اپنے ذمے لیا تھا

بابلی دیوتا آیع ہندی اندر کی طرح مختلف قسم کی صنعت اور دستکاری میں کمال رکھتا تھا، اکثر ضرورت کیوقت آیع اپنے (خلیج فارس کے) گھر میں سے نکل کر اپنے بندوں کو نہریں کھودنا، کھیتی باڑی کرنا، دھات کا کام کرنا، مٹی کے برتن اور اینٹیں بنانا اور اُن سے مندر اور عبادت گاہیں تیار کرنا سکھاتا تھا۔ اُس نے اس دنیا کو بالکل اسی طرح بنایا تھا جسطرح کوئی معمار مکان بناتا ہے۔ اندر دیوتا نے بھی اپنے ہتھوڑے اور بسولے کے ذریعہ اسی طرح یہ تمام کائنات بنا کے رکھ دی تھی جیسے اُس وقت کے ہمارے آریا آباء اجداد لکڑی کو کاٹ، چھیل اور جوڑ کر اپنے گھر بنایا کرتے تھے۔

ہندی اندر بیک وقت بابلی آیع، رمن اور میرودخ کے برابر تھا!

۴ - اگنی

ہندی متھیا میں اگنی آگ کا دیوتا ہے۔ ویدوں کے بھجنوں اور روایتوں میں اُس کا نام اکثر پایا جاتا ہے، اُس کی مورتی میں دو چہرے، تین ٹانگیں اور سات بازو ہوتے ہیں، اور عموماً اُس کے ساتھ ایک مینڈھا ہوتا ہے[1]۔ اسی طرح بابلی متھیا میں گِرّو، گِشبار، گبِل اور نُسکو آگ کے دیوتا تھے، ہندوستان نے ان چار کے مقابلے میں اپنے ایک ہی دیوتا کو دو چہرے اور سات ہاتھ دے رکھے تھے۔ اس لحاظ سے پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان بابل پر فوقیت لے گیا۔

---

[1] تاکہ اُس کی قربانی کرکے اُسے جلایا جاسکے۔ قربانی اور آگ اکثر قدیم قوموں کے ہاں لازم ملزوم چیزیں تھیں۔ ہندی مسلمان بھی بقر عید کے دن کباب کھانے کے بہت شوقین ہیں! مگر ایک بزرگ ایک مرتبہ فرماتے تھے کہ شب برات میں اگنی دیوتا بہت خوش رہتے ہیں

گو یہ یقین کے ساتھ نہین کہا جاسکتا کہ بابلی بھی ہمارے آبا و اجداد کی طرح اپنے ان دیوتاؤن کو زندگی اور رُوح کی بنا (جس کا ظہور جانداروں کے بدن کی گرمی مین پایا جاتا ہے) سمجھتے تھے یا نہین، لیکن یہ ضرور ہے کہ قدیم (اور غالباً آجکل کے بھی) ہندوستانیون کی طرح اُن کے ہان بھی آگ کو جادو ٹونے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، مُردے کو جلا کر راکھ کر دینے کا قاعدہ جو آج تک ہندو گھرانون مین باقی ہے، اُس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ قدیم آریا یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اُن کے مُردے آگ مین بھسم (یا یون کہئے کہ اگنی دیوتا کی ذات والاصفات مین فنا۔ فنافی النار) ہوکر براہ راست سورگ (جنت) مین پہنچ جاتے تھے، اسی طرح اہل بابل بھی کبھی کبھی اپنے مُردون کو جلایا کرتے تھے، قدیم سمیا طیقی قومون مین قربانی کے وقت جانورون کو (اور بعض اوقات انسانون کو بھی) آگ مین بھسم کردینے کا عقیدہ اور عمل بالکل عام تھا، اہل بابل کا (مذکور بالا) نُسکو دیوتا ہمارے ملک کے اگنی دیوتا کی طرح دیوتاؤن کا دُوت (قاصد) بھی تھا۔ چنانچہ جب میرودخ دیوتا کو بابل کے تمام دیوتاؤن کی سرداری ملی ہے تو اُس نے نسکو ہی کو آیع دیوتا کے پاس اس ترقی منصب کی خبر پہنچانے کیلئے قاصد بنا کر بھیجا تھا۔

اسی طرح بابلی دیوتا تموز (جس کے نام پر سُریانی تقویم کے ایک مہینہ کا نام بھی تموز ہے، جو ہمارے بیساکھ جیٹھ اور انگریزی جون جولائی کے وقت مین ہوتا ہے) اور اگنی دیوتا کی چند صفات آپس مین مشترک ہین تموز دیوتا "شفا دینے والا" تھا، اگنی "سب طرح کی بیماریون کو دور کرنے والا" تھا، تموز گھن گرج آواز کا دیوتا تھا، اگنی بھی ایک مست سانڈ کی طرح چنگھاڑتا تھا، تموز اور اگنی دونون بڑے دلاور اور جنگجو تھے، دونون بڑے بڑے دیوون کو مارتے اور قتل کرتے تھے، اہل بابل کے ہان تموز دیوتا کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ رات کے وقت آسمان کی رکھوالی کرے۔ اس حیثیت مین وہ لوگ اُسے بکرے کی صورت مین تصور کرتے تھے، روایت ہے کہ ایک مرتبہ بابل مین طرح طرح کی بیماریون کی وبا پھیلی، تو لوگون نے عاجز آکر میرودخ دیوتا سے دُعا کی کہ انھین ان وباؤن سے بچائے، اور اس کے ساتھ ہی انھون نے ایک بکرا لے کر اُسے خوب بنایا سنوارا اور میرودخ کے نام پر جنگل مین چھوڑ دیا۔ دیوتا نے بکرا قبول کیا، اور اپنے بندون کو وبا سے نجات دی۔ وہ بکرا آسمان پر پہنچ کر ستارہ بن گیا (جسے آجکل کی اصطلاح مین قطب تارہ کہتے ہین)۔ چنانچہ عربی زبان مین اب بھی اُس کو "جدی"، (بکری کا بچہ) کہا جاتا ہے، اسی طرح ہندی تھیا مین بھی اگنی دیوتا اور ورُن دیوتا کا بکرے سے تعلق ہے۔ قدیم آریا لوگ اپنے مُردون کا کریا کرم کرتے وقت اس نیت سے بکرا قربان کیا کرتے تھے کہ اس طرح وہ دیوتاؤن کو خبر کر دین کہ ایک نئی رُوح اس دنیا سے اُس دنیا مین داخل ہو رہی ہے اور دیوتاؤن کی پناہ اور سرپرستی کی خواستگار ہے!

۱؎ ممکن ہے یہی بکرا ان بکرون کا مورث اعلیٰ ہو جن کو آج بھی ہمارے بعض دیندار بھائی خوب بنا سنوار کے بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے نام پر چھوڑ دیتے ہین! پھر اُن بکرون سے نہ معلوم ان کا کیا رشتہ ہے جن کو ہمارے ملک کے جادوگر اور سیانے کالی مائی کے نام پر قربان کرکے اور ان کا خون پی کر اپنے معتقدین کے حق مین حیرت انگیز پیشگوئیان کرتے ہین؟

۵۔ سورج

بابل مین سورج دیوتا کا نام شمش (عربی شمس۔ سورج) تھا۔ وہ قسمت اور تقدیر کا مالک تھا، سب زندہ اور مُردہ ہستیون کا خدا تھا، وہ سب سے بڑا منصف، سب سے بڑا قانون ساز تھا، اور سب سے انصاف کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ بدکاری کا دشمن تھا، گناہ سے سخت نفرت رکھتا تھا، صدق اور خلوص کا عاشق تھا، اپنے پوجاریون مین سچائی اور ایمانداری کی روح پھونکتا اور گنہگارون کو سزا دیتا تھا، وہ دُنیا کو روشن کرتا تھا اور اُس کے نُور کی شعاعین دنیا کے ہر ہر کونے مین پہنچتی تھین۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا اور ہر انسان کے خیالات کو جانتا اور پڑھ سکتا تھا، کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہ تھی۔ اُس کا ایک نام متر بھی تھا۔

ہمارے ملک کے ویدون (خصوصاً رگ وید) مین متر دیوتا وَرُن کا ہمزاد تھا، یہ دونون انسان کی زندگی کی مدت مقرر کرتے اور اُس کی نگھبانی مین مصروف رہتے تھے۔ وہ سورج اور چاند کے راستون اور عملون کا اندازہ اور اُن کی تعین کرتے تھے، وہ ہوا، پانی اور موسم سب سے اُن کے ٹھیک ٹھیک وقت پر کام لیتے تھے۔ وہ ہر گھر مین ہر شخص کے نگھبان اور سرپرست تھے، اور گناہگارون کو سزائین دیتے تھے، وہ زمین پر پانی برساتے تھے۔

جس زمانے مین آریا لوگ پنجاب مین تھے اور وَرُن اور متر کی پوجا کرتے تھے وہ اپنے مُردون کو جلاتے نہین تھے بلکہ "مٹی کے گھرون" مین دفن کرتے تھے۔ یہی حال شمش کے پوجنے والون کا بابل مین تھا، ہندوستان کے یم دیوتا کی طرح بابل کا متر دیوتا بھی اس دنیا سے جانے والی روحون کا بادشاہ تھا، یہ روحین جس ملک مین رہتی تھین اُس مین پہنچنے کے لئے (بابلی اور ہندی دونون عقیدون کے مطابق) بڑے بڑے پہاڑون اور "موت کی ندی" کو پار کرنا پڑتا تھا،

یہی متر ایران مین مِہر (سورج) کے نام سے جلوہ گر تھا!

۶۔ طوفان

بابلی روایت کے مطابق پیر پنشتیم[۱] نے گلگمیش[۲] سے طوفان کا واقعہ جس طرح بیان کیا تھا وہ مختصراً یون ہے۔ دریاے فرات کے کنارے شرپاک کے شہر مین سب دیوتاؤن کا مجمع ہوا اور اُنھون نے متفق طور پر یہ طے کیا کہ زمین پر پانی کا ایک طوفان پہنچنا چاہئیے۔ ایع دیوتا نے (جو عقل کا خدا تھا) پیر پنشتیم کو (خواب مین) یہ ہدایت کی کہ چونکہ ہم سب دیوتاؤن کی یہ مرضی ہے کہ زمین پر ایک سخت طوفان بھیجین، اس لئے تم اس سے خبردار رہو اور اُس مین ہلاک ہونے سے بچنے کے لئے اپنے مکان کو توڑ کر ایک بہت بڑی سی کشتی بنالو، اور جب طوفان شروع ہو تو اپنے سارے خاندان اور اسباب وغیرہ کو لے کر اُس کے اندر رہو بیٹھنا اور دروازہ بند کر کے کشتی کو پانی کے بہاؤ پر چھوڑ دینا تاکہ تمھین حفاظت اور احتیاط سے کسی مقام پر پہنچا دے۔ اس ہدایت کے

---

[۱] پیر پنشتیم کی حیثیت بابلی روایت مین وہی ہے جو (اُس سے ماخوذ) یہودی روایت مین حضرت نوح (علیہ السلام) کی ہے۔ [۲] گلگمیش کو گویا بابل کا بھیم یا ہنومان سمجھنا چاہئیے۔ اس کا ذکر ابھی آئیگا۔ [۳] یہ "زبردستی"، ملاحظہ ہو، کیون نہ ہو آخر دیوتا تھے، جو کچھ چاہتے تھے کرتے تھے!۔

مطابق پیر پنشتیم (جسے مین آئندہ اختصار کے خیال سے صرف پیر کہونگا) نے ایک بہت بڑی کشتی تیار کی، جو ایک سو بیس ہاتھ لانبی اور اسی قدر چھوٹی تھی اور اُس مین اوپر نیچے چھ منزلین تھین۔ اس کشتی کے بننے مین پورے چھ دن لگ گئے، اور جب ساتوین دن تیار ہوگئی تو پیر نے اپنے گھر کے سب لوگون کو اُس مین بٹھا دیا، پھر اپنا تمام ساز و سامان، گھر کا کل اسباب، سونا چاندی زیور، نوکر چاکر، جانور اور کھانے کے لئے اناج غلہ وغیرہ، غرض یہ کہ سب کچھ اس کشتی کی چھ منزلون مین بھر دیا، اُسی روز رات کے وقت دیوتاؤن نے خوب پانی برسایا۔ پیر نے ایع دیوتا کی ہدایت کے مطابق سب دروازے بند کر لئے اور کشتی کو پانی کے بہاؤ پر چلنے دیا۔ پھر کیا تھا، بادل خوب گرجے اور کڑکے، بجلیان کوندین، زمین کے جتنے بھوت پریت اور دیوجن تھے سب کے سب زمین کے اندر سے اپنی اپنی مشعلین لیے لیے کر باہر نکل آئے اور خوب جی کھول کے بادل اور بجلی کی مدد کی۔ ایک دن کے اندر ہی اندر یہ حال ہو گیا کہ ساری زمین پر سوا پانی کے اور کچھ نظر نہین آتا تھا! آخر اشتر دیوی کو زمین والون پر رحم آیا، اور اُس نے دیوتاؤن سے التجا کی کہ اب انسانون پر رحم کرو۔ تب کہین چھ دن اور چھ رات کے بعد پانی کم ہونا شروع ہوا۔ پیر نے یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کہین کسی جگہ خشکی بھی نمودار ہو گئی ہے یا نہین، پہلے ایک فاختہ کو اڑایا، مگر اُسے کہین پاؤن رکھنے بھر کی جگہ نہ ملی اور وہ مایوس ہو کر پھر کشتی مین واپس آگئی۔ اس کے بعد پیر نے یکے بعد دیگرے ایک ابابیل کو، پھر ایک کوے کو اڑایا۔ ابابیل تو فاختہ کی طرح مایوس ہو کر واپس آگئی، مگر کوا ایسا گیا کہ پھر نہ آیا۔ اس کے غائب ہو جانے سے پیر کو یقین ہو گیا کہ کہین نہ کہین ضرور خشکی نکل آئی ہے، آخر جب ایک پہاڑ پر پہنچ کر اُس کی کشتی رکی، تو وہ خود بھی اُترا اور اپنے تمام انسان اور حیوان رفیقون کو بھی اُتارا سب نے مل کر دیوتاؤن کا شکر ادا کیا اور اُن کے نام پر چڑھاوے چڑھائے[۱]۔ رفتہ رفتہ کچھ عرصہ کے بعد پیر کے خاندان مین پھر وہی اگلی سی چہل پہل ہو گئی، اور دُنیا کی آبادی مین اضافہ ہونے لگا۔

ہندی منتھیا کی روایات کے مطابق اہل ہندوستان کا عقیدہ ہے کہ دُنیا کی زندگی کے چار زمانے ہین کرت جگ، ترتیت جگ، دواپر جگ اور کلجگ۔ اور ہر جگ کے خاتمہ پر ایک بڑا سا طوفان آتا ہے جس سے دنیا فنا ہو جاتی ہے، یا یون کہئے کہ اسی طوفان کے اُٹھنے سے ایک جگ ختم ہوتا ہے اور اُس کے بعد سے نیا جگ قائم ہوتا اور نئی دنیا آباد ہوتی ہے۔ مہابھارت (بان پرب) مین ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دُنیا مین انسانون کی آبادی اتنی بڑھ گئی کہ زمین پر اُن کے رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کی جگہ باقی نہین رہ گئی اور دھرتی ماتا کے جوڑ جوڑ مین درد ہونے لگا، تو وہ گھبرا کے نارائن جی (سب سے بڑے دیوتا) کے پاس گئین اور اپنی ساری بپتا سنا کر اُن کی کرپا اور دیا چاہی، نارائن نے اُن کا یہ دکھ دور کرنے کے لیے ایک بڑا سا طوفان بھیجا، جس سے سب انسان فنا ہو گئے۔ اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ انسانون کو پیدا کرکے زمین کو آباد کر دیا۔

---

[۱] اس استبدادی طرز عمل کے بعد یہ ستم ظریفی قابل داد ہے، وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا!۔

مہابھارت کی اس روایت کے علاوہ طوفان کی ایک اور ہندی روایت "ست پت براہمن" مین درج ہے اور منوجی سے متعلق ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز صبح کو جب منوجی نے نہانے کے لئے پانی مانگا تو اُس مین ایک چھوٹی سی مچھلی تھی، جس نے اُن کے ہاتھ مین میٹھی باتین شروع کین اور کہا کہ ایک طوفان آنے والا ہے اور مین اس شرط سے تمھین اس سے بچانے کا وعدہ کرتی ہون کہ تم میری اس طرح حفاظت کرو کہ پہلے مجھے ایک چھوٹی سی گھڑیا مین رکھو، پھر ایک تالاب مین رکھو اور جب مین اتنی بڑی ہو جاؤن کہ اس تالاب مین نہ سما سکون تو مجھے احتیاط سے سمندر مین چھوڑ دو۔ منوجی نے اُس کی حفاظت کا وعدہ کیا، اور بڑی سی ناو بنا کے اُس مین ہو بیٹھے۔ کشتی کے تیار ہوتے تک وہ مچھلی بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی ہو گئی کہ تالاب مین نہین سماتی تھی تب منوجی نے اُسے سمندر مین ڈالدیا مچھلی کی پیشگوئی کے مطابق ایک زبردست طوفان آیا اور اُس نے دنیا کے سب جاندارون کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ منوجی کی ناؤ اس سراسیمگی کے عالم مین ڈگر ڈگر کرتی پھرتی تھی کہ اُن کی وہی مچھلی اُن کو سرن دینے کو آموجود ہوئی۔ منوجی نے اپنی ناؤ کو اُس کے سر سے باندھ دیا، اور اُس نے اُسے لے جا کر اُتر طرف کے (غالبًا ہمالیہ) پہاڑون پر رکھ دیا۔ منوجی وہان اُتر گئے اور جیسے جیسے پانی ہٹتا اور کم ہوتا گیا وہ بھی نیچے کو آتے گئے۔ جب میدان مین پہنچ گئے تو انھون نے دیوتاؤن کے نام پر چڑھاوے چڑھائے اور قربانیان کین دیوتاؤن کے دل بھی آخر پسیج گئے اور انھون نے اپنی دیا سے دھرتی کو پھر نئے سرے سے آباد کر دیا۔

بھاگوت پران مین طوفان کا قصہ یون لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب برہماجی سو رہے تھے ایک راکھشس سارے وید چرا کر لے گیا ہری دیوتا ایک مچھلی کا بھیس بھر کے راجا ستیا ورت کے پاس گئے، جو صرف پانی پی کے زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ یہ مچھلی (منوجی کی مچھلی کی طرح) بڑھتی رہی یہان تک کہ بیس لاکھ میل لانبی ہو گئی۔ راجا ستیا ورت نے طوفان سے بچنے کے لئے ایک بڑی سی ناؤ بنائی (یا اُسے کہین سے مل گئی) جس مین وہ بہت سے برہمنون کو ہمراہ لے کر داخل ہو گیا۔ جب راجا نے برہمنون کی ہدایت سے دیوتاؤن کی تعریف کے بھجن گائے، تب کہین اُسے اس آفت سے خلاصی کی صورت نظر آئی۔ ہری دیوتا نے اُس راکھشس کو قتل کر دیا اور اُس سے سب وید جو وہ چرا لے گیا تھا چھین لئے اور ستیا ورت کو اُس کی تپسیا اور بھجن گانے کے انعام مین ساتوان منو بنا دیا۔

(باقی)

"محمد نعیم الرحمن" ایم۔ اے۔

تصویر زیب النسا بیگم

جو دربار عالمگیری کی ایک بے مثل مصورہ نادرہ کی قلمکاری ہے اور بعد تحقیق و تنقید بسیار اس کی صحت کی توثیق ہو چکی ہے یہ تصویر تین خوشنما رنگ سے طیار کی گئی ہے اور سنہ ۲۲ء کے نگار مین شایع ہو چکی ہے قیمت مع محصول (۸/)

"مینیجر نگار"

تصویر رقاصہ

بنگال کے مشہور نقاش و مصور مزمدار کی ایک بہترین تصویر جو حضرت نیاز کے مشہور مضمون رقاصہ کے گجراتی ترجمہ کے ساتھ کلکتہ کے مشہور گجراتی رسالہ نوجیون مین شایع ہوئی تھی۔

قیمت .... (۴/)

"مینیجر نگار"

بازگشت

(بہ سلسلۂ ما سبق)

(۱۰)

دوسرے دن شام کو ممتاز دکان سے کسی قدر دیر کرکے آیا۔ ادریس خلاف معمول گھر پر موجود نہ تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کہین سیر کو گیا ہے۔ آج یہ پہلی بار ادریس بغیر ممتاز کو ساتھ لئے سیر کے لئے نکل گیا تھا۔ ممتاز اس سیرگاہ کو جانتا تھا۔ اُسکی زبان سے اضطراری طور پر نکل گیا

نئے فتنون مین اب چرخ کہن کی آزمائش ہے

یہ کہکر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ اُسدن رات کو پھر نہ وہ ادریس سے ملنے گیا اور نہ ادریس نے اسکو بلایا۔ مگر وہ تمام رات متفکر رہا

ادریس قصداً ممتاز سے پہلو بچا کر نکل گیا تھا۔ اور اسکے قدم بے اختیار اسکو تیواری پور کی سمت لئے جا رہے تھے۔ آج وہ عمر مین پہلی بار ایسے ناوقت پر تپسا سے گذر رہا تھا لیکن اپنے خیالات مین کچھ اس طرح گم تھا کہ اسکو اسکا مطلق احساس نہ ہوا۔ جنگل سے باہر نکل کر اسکی نگاہین سب سے پہلے اس طرف کو اُٹھین جہان کل اُسنے مریم کو دیکھا تھا۔ مریم وہان نہ تھی۔ ادریس کی مایوسی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ اپنے دل مین ایک ایسی گرانی محسوس کرنے لگا جسکو برداشت نہین کیا جا سکتا۔ اس گرانی کو لئے ہوئے پلٹنا چاہتا تھا کہ ایک طرف سے ایک لطیف و نازک آہ سنائی دی۔ آہ مین ایک کیفیت تھی جسکو گرد و پیش سے خاص مناسبت تھی۔ ادریس کی نظر اُٹھ گئی۔ مریم دریا سے کچھ فاصلہ پر جنگل سے قریب ایک ٹیلہ پر بیٹھی تھی۔ اُسنے ادریس کو دیکھ لیا تھا۔ ادریس نے جب اسکو دیکھا تو اسکی نگاہین جھک چکی تھین

وہ ادریس سے زیادہ دور نہ تھی

ادریس دم بخود ہو کر اسکو دیکھنے لگا۔ مریم آنکھین نیچی کئے بیٹھی رہی۔ رہ رہ کر اسکے منہ سے وہی دہیمی آہ نکل رہی تھی جسکے معنی ادریس سمجھ نہ سکا۔ ایسی بھیانک تنہائی مین رات کی بلاؤن سے مریم کی بے پروائی اس بات کی دلیل تھی کہ اسکو دنیا مین کسی چیز کا ڈر نہین ہے۔

ہوا کے ہلکے جھونکو مین ترنم تھا کہا جا سکتا ہے کہ جنگل کی روحین اپنی زبان مین باتین کر رہی تھین اور مریم بھی انکی گفتگو مین شریک تھی اسکی آہون کا سلسلہ بدستور قائم تھا۔ اسکی صورت پر یاس و حرمان کا رنگ چھایا ہوا تھا جسکو شام کے دہندلکے نے اور بھی بڑھا دیا تھا۔ ادریس پتھر کی مورت بنا ہوا اسکو دیکھ رہا تھا اسکو یہ بھی خیال نہ تھا کہ اگر کسی نے اسکو اس حالت مین دیکھ لیا تو کیا کہیگا۔ مریم بھی کبھی کبھی ایک غلط انداز نگاہ ادریس پر ڈال لیتی تھی۔ ادریس کے دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ وہ اسکو اپنی کنپٹی کی رگو مین محسوس کر رہا تھا۔ اسکا دل اس "دوشیزۂ صحرا" سے ہم کلام ہونے کے لئے تڑپ رہا تھا مگر اُسنے اپنے اندر اتنی جرات نہ پائی۔

رات اپنا جادو جگا رہی تھی۔ اندھیرا آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ خواب کیطرف مائل تھا ہر چیز پر ایک ہیبت و جلال کا رنگ پھر رہا تھا پرندے بسیرا لے رہے تھے۔ شب بیدار جانورون نے اپنی گشت شروع کر دی تھی۔ اور ادریس اور مریم نے اپنی اپنی

جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ مریم کا گھر تو خیر قریب تھا مگر ادریس اپنے گھر سے اسقدر دور تھا اور راستہ اسقدر ہولناک، کہ ایک ہوش و حواس والے آدمی کے دلمین محض اسکے خیال سے کپکپی پیدا ہو جاتی لیکن ادریس بہ خود غلط اتنا تھا کہ اسکو اسوقت مریم کے سوا ہر چیز اسکے احاطۂ شعور سے نکل گئی تھی

تھوڑی دیر بعد مریم نے حرکت کی اور ٹیلے سے اُتر آئی گویا ابتک وہ اسی پُراسرار تاریکی کا انتظار کر رہی تھی ادریس کا دل اس زور سے دھڑکنے لگا کہ اسکے سارے جسم مین ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا اور وہ اسی جگہ بیٹھ گیا۔ اب مریم کی آنکھین ادریس پر جمی ہوئی تھین۔ وہ ادریس کے پاس آئی اور پوچھا "آپ کون ہین اور کہان جانا چاہتے ہین؟ آپ تو صورت سے بیمار معلوم ہوتے ہین"

ادریس کی زبان سے ایک حرف نہ نکلا۔ وہ مریم کا مُنہ تکتا رہا۔ مریم اپنے اعصاب مین ایک لہر سی محسوس کرنے لگی وہ ادریس کی حالت کا اتنی دیر مین بہت کچھ صحیح اندازہ لگا چکی تھی۔ اُسنے بڑھکر ادریس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور پوچھا "آپکو بخار تو نہین ہے؟" ادریس مین اب مقاومت کی تاب نہ تھی۔ وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور چاہا کہ جلدی سے بھاگ کر مریم سے الگ ہو جائے اور اپنے گھر کا راستہ لے۔ مریم اسکی نیت سمجھ گئی۔ اُسنے ادریس کا ہاتھ تھام کر کہا "ٹھہرئیے مین آپکو یون نہین جانے دونگی۔ آپ بتا دیجئے کہ آپکو کیا ہوا ہے" ادریس بے دست و پا ہو کر رُک گیا۔ مریم کا حکم اسوقت ایک ملکہ کے حکم سے کم نہ تھا۔ اور اس حکم مین نہ جانے کونسی قوت تھی جسنے ادریس کے رگ و پے مین ایک جوش پیدا کر دیا۔ اسکی بیزبانی دور ہو گئی اور اب وہ اس قابل تھا کہ اپنی زبان سے شرح آرزو کر سکے

اُسنے مریم کو پیار کی نگاہ سے دیکھکر کہا "کیا بتاؤن مجھکو کیا ہوا ہے۔ وہی ہوا ہے جو ایک بار مجھکو غارت کر چکا ہے مین سمجھا تھا کہ اب اس بلا سے مین ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا ہون۔ آہ مجھکو اپنی طبیعت کا کتنا غلط اندازہ تھا!"

مریم پھر کہا "آخر کچھ بتائیے تو وہ کونسی بلا ہے؟"

ادریس نے بیساختہ مریم کے دونون ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لئے اور کہا "مین دو دن کے اندر تمکو بری طرح چاہنے لگا ہون مین نے کل ساری رات ٹہل ٹہل کر کاٹی ہے۔ رہ رہ کر تمھارے خیال کو دل اور تمھاری صورت کو آنکھون کے سامنے سے ہٹانا چاہتا تھا مگر آخر کار اپنا چاہا کچھ نہ ہوا اور آج مین پاگلون کی طرح یہان تمکو کھڑا اتنی دیر سے دیکھ رہا ہون اور جی نہین بھرتا"

مریم نے اپنے تیور سے بغیر کسی قسم کی حیرت یا سراسیمگی کا اظہار کئے ہوئے پوچھا "آپنے مجھکو اس سے پہلے کب دیکھا تھا؟"

ادریس نے کل کی سرگذشت بیان کر دی اور پھر رابعہ کے ساتھ اپنی ناکام محبت کا واقعہ بھی من و عن بیان کر کے کہا "مریم شاید میرے مقدر مین یہی ہے کہ مین محبت کی آگ مین پھنکتا رہون۔ مین نے کل تمکو ایک نظر دیکھا اور دیکھتے دیکھتے تمھارا ہو کر رہ گیا۔ دیکھو اسکا انجام کیا ہوتا ہے!"

مریم کو معلوم ہو گیا کہ وہ بلا کسی قسم کی جد و جہد یا ریشہ دوانی کے اپنی منہ مانگی مراد پا چکی ہے اسلئے اُسنے فوراً بے تکلف

اور اجنبیت کا پردہ ہٹا دیا اور ایک آہ کرکے کہا "تو آپ اسقدر ہراسان کیون ہوتے ہین؟ محبت تو مزے کی چیز ہے۔ کم از کم مجھکو تو اسمین بڑا مزہ مل رہا ہے۔ مین آپ سے پہلے یہ چوٹ کھا چکی ہون۔ آپ میری صورت دیکھ کر بے قابو ہو گئے۔ مین تو آپ کا نام سنکر تڑپنے لگی تھی۔ اللہ اللہ اسکے بعد مین نے آپکی صورت دیکھنے کے لئے کیا کیا نہین کیا۔ آپ آج صرف دو تین گھنٹون تک دیکھتے رہے ہین۔ اور مین بشن گڈھ کے میلے کے دن صبح سے شام تک آپکی صورت دیکھتی رہی ہون" مریم نے بھی اپنی داستان سنادی اور پھر کہنے لگی "وہ چاہت میری طرف سے شروع ہوئی اور یہ میری چاہت کا اثر ہے جسنے آپکو یون بے چین کر رکھا ہے اور یہ میری چاہت کا ثبوت ہے" مریم نے ادریس کا منہ چوم لیا۔ ادریس مبہوت ہو گیا۔ اسکو اپنے حواس پر اعتماد نہین رہا۔ اسکو ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ خواب مین ہے اور یہ سب کچھ خواب مین ہو رہا ہے

دونون طرف کی آگ برابر تھی۔ مریم اور ادریس ایک دوسرے کے ساتھ جیسا اس ایک رات مین کامیاب ہوئے شاید دو چاہنے والے ساری عمر گریۂ تمنا مین گذار دینے کے بعد بھی نہ ہوتے ہون

(۱۱)

دن گذرتے دیر نہین لگتی۔ پورے پانچ مہینے گذر گئے اور ادریس آنے والی پیچیدگیون سے بے خبر مریم کے ساتھ روزانہ شام کے تین چار گھنٹے خود فراموشی کے عالم مین بسر کرتا رہا۔ محبت کے تیور چھپتے نہین۔ ادریس کے چلن سے سب واقف ہو گئے اور رفتہ رفتہ وہ لوگون کی نظرون مین گر گیا۔ اور یہ سب مریم کی بدولت۔ اچھے برے کا واقعی کوئی صحیح معیار ہے یا نہین؟ اخلاقیات کے اس مسئلہ سے یہان بحث نہین۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا مین وہ معیار رائج نہین۔ دنیا والے جب کسی چیز کو اپنے گون کی نہین پاتے یا اسکو اپنے توقعات کے خلاف پاتے ہین تو اسکو برا سمجھنے لگتے ہین۔ ادریس کی نئی زندگی لوگون کے توقعات کے خلاف تھی اسلئے قطعاً بری تھی

ادریس نے سکینہ کو جس کوفت مین مبتلا کر دیا تھا اسکو اتنے دنون وہ ضبط کئے بیٹھی رہی۔ اسکی مایوسیون کی کوئی حد نہ تھی لیکن ابھی اسکو امید تھی اور قوی امید تھی کہ ادریس خود بخود پھر رہ راست پر آجائیگا۔ آخر کار یہ امید بھی موہوم ثابت ہوئی۔ مجبوراً سکینہ نے ایکدن جبکہ ادریس دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا اس ذکر کو چھیڑ کر کہا "ادریس تمکو سوجھی کیا ہے؟ کوئی اس طرح بھی اندھا بھی ہوتا ہے؟ آخر مریم کہانکی پکاڈلی ہے جو تم اسکے پیچھے یون باؤلے ہو رہے ہو؟ ایک آبرو باختہ ہرجائی کے ہاتھون بک کر خاندان کا نام کیون ڈبوتے ہو؟ میری اُمیدون کا سارا دارومدار تم پر تھا۔ اُف کیسے کیسے ارمان میرے دل مین تھے! اُن کا پورا ہونا تو درکنار مین دیکھتی ہون کہ تم اُلٹے میرا منہ کالا کر رہے ہو۔ خدا کو مانو۔ ہوش مین آؤ۔ دیکھو دنیا نے تم کو کس عزت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا ہے۔ کم از کم اسکا تو پاس کرو۔ آج دو روز ہوئے فیض آباد سے خط آیا ہے۔ مین نے مناسب موقع نہ پاکر تم سے ذکر نہین کیا۔ میرے بھائی جنھون نے ابتک اپنی بھکارن بہن کی بات بھی نہین پوچھی تھی اب چاہتے ہین کہ تمکو اپنی دامادی مین لے لین۔ یہ صرف اسلئے کہ تم ہونہار ثابت ہوئے اور تمھاری لیاقت نے تمھاری مفلسی کے عیب پر

پردہ ڈال دیا ہے۔ شاہدہ کو مین نے بچپن مین دیکھا ہے۔ صورت شکل والی ہے اور تمھارے مُنہ لائق ہے۔ لیکن مین بھائی سے کیا کھون اور کس برتے پر کھون؟ تم اپنی روش بدلو تو انکو اس نسبت کی منظوری کی اطلاع دیدون،،

ادریس سرجھکائے مان کی جھڑکیان سنتا رہا۔ اسکے بعد اسنے اپنے کو مجسم سنجیدگی بناکر جواب دیا۔ ”امان مین نے آجتک تم سے اس بارے مین ایک حرف اسلئے نہین کہا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ تمکو میری باتون سے کوئی دکھ نہ پہنچ جائے۔ لیکن اب تمنے خود میری دُکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا ہے۔ اسلئے اب میرا فیصلہ بھی سُن لو اور اس فیصلہ کو اٹل سمجھو۔ رابعہ سے بدمزہ ہونیکے بعد مین نے قسم کھائی تھی کہ اب کسی عورت سے کوئی سروکار نہ رکھونگا اور اپنی تمام عمر تجرد مین بسر کرونگا مگر ارادے بہ حیثیت ارادون کے پورے نہین ہوتے۔ میری زندگی نے ایک دوسری کروٹ لی۔ مجھے اس مریم سے دلبستگی پیدا ہوگئی۔ تم نے آج اچھی طرح اپنے دل کا غبار نکال لیا اور مریم کو جو جی مین آیا کہہ ڈالا اور مین نے چپ چاپ سُن لیا۔ لیکن اب مین کہے دیتا ہون کہ آئندہ اسکی شان مین ایسے تبرے سننے کے لئے تیار نہ ہونگا۔ تم جو چاہو سمجھو۔ مین مریم کو اپنے حق مین سیتا سمجھتا ہون اور اسکو اپنی تمام عمر کا ساتھی بنانا چاہتا ہون۔ مجھے ٹھیک معلوم نہین کہ زمانہ کی ناسازگاریون نے تم پر کیا اثر ڈالا ہے لیکن مین اپنی ذات سے زندگی کے ہاتھون بُری طرح مٹ چکا ہون اور اب دنیا کے رسم ورواج اور تکلف وتصنع کی تاب نہین لاسکتا۔ مریم ہرجائی ہے تو ہوا کرے۔ شیخ سید نہین تو نہ ہو۔ مین اسکو دنیا کی شریف زادیون پر ترجیح دیتا ہون اور مجھکو یقین ہوگیا ہے کہ اگر اب مین کسیکے ساتھ خوش رہ سکتا ہون تو مریم کے ساتھ۔ تم فیض آباد میرا صاف انکار لکھ بھیجو۔

سکینہ کا پیمانہ صبر پہلے سے لبریز تھا۔ بیٹے کی اس صاف گوئی نے اسکو چھلکا دیا۔ اُسکا چہرہ تمتما اُٹھا۔ آج وہ ایک دوسری سکینہ تھی۔ جس مان نے ابتک ادریس سے کبھی سختی یا ترشی کے ساتھ بات بھی نہین کی تھی آج وہ غضبناک تھی۔ ادریس کا فیصلہ سنکر اُسنے بھی اپنا مختصر فیصلہ سنا دیا ”مین اس قحبہ کا نام آئندہ پھر کبھی سننا گوارا نہین کرسکتی اگر تمکو اپنے ارادہ سے باز نہین آنا ہے تو آج سے مجھے اپنی صورت نہ دکھانا،،

یہ سنکر ادریس کے تیور بدل گئے۔ اسکی صورت سے جلال وجبروت ٹپکنے لگا۔ آج وہ دبی ہوئی قوت کام کررہی تھی جسنے اسکو زندگی کی تلخیون کو شربت کی طرح پی لینے کے قابل بنادیا تھا اور رابعہ کو اکدم خاطر انداز کرکے یکسوئی کے ساتھ علمی مشاغل مین منہمک ہوگیا تھا۔ ادریس نے سنگدلی اور بےمہری کے ساتھ مان کو جواب دیا ”بہتر ہے،، اور فوراً اُٹھکر باہر چلا گیا اور پھر مان کو اپنی صورت نہین دکھائی۔

بات کی بات مین ادریس کو مان سے نفرت ہوگئی۔ اسکو یہ یقین ہوگیا کہ دنیا کے رسوم وقیود نے نہ صرف سکینہ کی آنکھون پر بلکہ اسکے دل پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ اور وہ ان بندشون پر اپنے بیٹے کی مسرتون کو قربان کردینا چاہتی ہے۔ جسوقت ادریس مان سے کبیدہ ہوکر باہر آیا تو ممتاز کو انتظار کرتا ہوا پایا جب سے ادریس مریم مین محو ہوا

ممتاز کو رام نگر مین سونیکی نوبت نہیں آئی ادریس نے اسکو اپنے ساتھ سونیکے لئے بلانا چھوڑ دیا تھا۔ اب ادریس کو اپنی تنہائیون مین لذت ملنے لگی تھی اور وہ تنہا رہنا چاہتا تھا۔ ممتاز سے بہ ظاہر اب بھی وہی لگاؤ تھا لیکن حقیقتاً ادریس کی ساری گرمجوشی سارا تپاک دوسرے مرکز کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ ممتاز کے ساتھ جو کچھ گفت و شنید ہوتی وہ زیادہ تر معاملات تک محدود ہوتی تھی ممتاز اسکو خوب محسوس کر رہا تھا مگر ادریس کو ابھی چھیڑنا اُسنے مناسب نہین سمجھا تھا۔ آج نہ جانے کیون اسکے دل نے کہا کہ چلو ایک بار اپنی سی کر آئین اور آنیوالی زندگی کا اونچا نیچا ادریس کے ذہن نشین کرا آئین۔

ادریس باہر نکلا تو ممتاز کو اسکے تیور دھندلے نظر آئے۔ ادریس نے اسکو اپنی اس حالت پر غور کرنیکا موقع نہین دیا اور پوچھا "کہو ممتاز کیسے آئے؟ کیا دکان سے متعلق کوئی خاص بات ہے؟"

ممتاز نے بڑی جرأت کی اور کہا "نہین تمھاری ذات سے متعلق ہے۔ بُرا نہ مانو تو کہون"، "کہو"، ادریس نے تامل کرتے ہوئے جواب دیا۔

ممتاز آنکھین جھکا کر کہنے لگا "کہنا یہ ہے کہ تمنے یہ جو نئی زندگی اختیار کی ہے اس مین شاید کافی سوچ بچار سے کام نہین لیا گیا ہے۔ مین اپنی جگہ یہی سمجھے ہوئے ہون کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ آنکھین بند کرکے کر رہے ہو۔ ادریس مین وعظ و پند کی غرض سے نہین آیا ہون میرا دل نہ جانے کیون دھڑک رہا ہے کہ کہین ایک دن تمکو یہ کہکر رونا نہ پڑے کہ

"الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا"

ادریس پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ ممتاز کوئی اسی قسم کی بات کہنے والا ہے۔ اسنے ایک تلخ تبسم کے ساتھ کہا "ممتاز معلوم ہوتا ہے آج ساری دنیا نے اپنی پند و نصیحت سے مجھکو رہ راست پر لے آنیکا بیڑا اُٹھا رکھا ہے۔ مگر خیر اتنی خیر اندیشی کا مختصر سا جواب سن لو مریم کو دیکھتے ہی میرے اندر ایک دبی ہوئی آگ بھڑ بھڑک گئی اور اس سے ملنے کے بعد مجھکو معلوم ہو گیا کہ مین اسقدر آشفتہ اور دلگیر کیون رہتا ہون۔ مریم نے مجھے بتا دیا کہ مین کس درد کا مارا ہوا ہون اور اسکا علاج کیا ہے۔ مین محبت کا بھوکا تھا محبت میرے خمیر مین ہے۔ مجھکو کسی ایسی چیز کی ضرورت تھی جسمین مین کھو کر رہ جاؤن۔ وہ چیز مریم کی صورت مین مجھے ملگئی

جلوۂ کرد کہ من ہم ہمہ او گردیدم

اس سے زیادہ مین کہنا سننا نہین چاہتا"

ممتاز تھوڑی دیر تک ادریس کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر اُسپر ایک مایوسانہ نگاہ ڈالتا ہوا وہان سے چلا گیا۔ ادریس اپنے کمرہ مین جاکر لیٹ رہا اور سوچنے لگا۔ وہ بہت دنون سے ارادہ کر رہا تھا کہ مریم کے ساتھ شادی کرلے اور یکبارگی تمام جھگڑون کو اُبھار کر ختم کردے۔ اُسنے اشارۃً مریم سے دو ایک دفعہ اپنے ارادہ کا اظہار بھی کیا تھا۔ مریم اسکے جواب مین ادریس کو صرف پیار کرکے رہگئی تھی ادریس نے بھی زیادہ اصرار نہین کیا تھا۔ مگر اب وہ اس بات پر تل گیا تھا کہ آج ہی مریم سے اس مسئلہ پر واضح گفتگو کرکے کوئی فیصلہ کرلے

ساون کا آخری موسم تھا صبح سے جھڑی لگی ہوئی تھی۔ ہوا مین ایک فردوسی ٹھنڈک تھی۔ بستر پر کروٹین بدلتے بدلتے

ادریس کو نیند آگئی اور پھر جو آنکھ کھلی تو سورج مغربی افق تک پہنچ چکا تھا۔ ادریس جلدی سے اُٹھا اور منہ ہاتھ دھو کر سیر بینا کی راہ لی مریم ابھی نہین آئی تھی۔ ادریس جنگل کے اتر پورب ایک کنارے بیٹھکر انتظار کرنے لگا۔

۱۲

رات ہو چلی تھی۔ بارش بند تھی۔ لیکن آسمان کی فضا مکدر تھی۔ چاند کا کہین پتہ نہ تھا تارون کی روشنی مدہم تھی۔ اور گرد باڑہ کے پانی سے جل تھل ہو رہا تھا۔ اندھیرے مین سطح آب کی روپہلی چمک دلون کو ہیبت و جلال سے معمور کر رہی تھی۔ کونہ کونہ سے عبرتناک صدائین نکل رہی تھین اور ادریس اپنے مقدر پر غور کر رہا تھا۔ اُسنے رام نگر کی "صحرائی زندگی" اسلئے اختیار کی تھی کہ اسکو ہیئت اجتماعی اور اسکی لغو اور لاطائل شورشون سے نجات ملجائے اور وہ رسم و روایت کی جانگسل زنجیر سے آزاد ہو کر راحت و سکون کی سانس لے سکے۔ مگر اب اسکو معلوم ہوا کہ یہان بھی وہی خدا پوجا جاتا ہے اور یہان کا باوا آدم بھی وہی ہے۔ دنیا مین رہکر دنیا کے جنجال سے آزادی چاہنا ایک خواب بے تعبیر ہے۔ پھر ان تمام جھگڑون اور محنتون سے گلوخلاصی حاصل کرنیکے لئے انسان عدم آباد کی راہ کیون نہین لیتا جہان یقیناً آسودگی نصیب ہے۔ ادریس اپنے خیال مین یہان تک پہنچا تھا کہ اسکو غالب کا یہ کہنا یاد آگیا

"وائے وان بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا — لے گیا تھا گور مین ذوقِ تن آسانی مجھے"

ادریس کی توجہ کا مرکز بدلگیا اور اب وہ آسمان کی فضا مین گم ہو گیا۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ یہ کوئی خیالی پرواز نہین ہے بلکہ جسمانی معراج ہے۔ وہ "چاند" "سورج" "قوس قزح" "ذات الفرس" اور "مسلسلہ" کی سحابی دنیا کی سیر کر رہا تھا جہان وہ سکون ہی سکون محسوس کر رہا تھا۔ یہ دنیا لطافتون سے آباد تھی اور یہان اُن الائشون کا خواب بھی کسی نے نہین دیکھا تھا جن سے اس "خراب آباد" کا ذرہ ذرہ مملو ہے۔

ادریس کی افلاک نوردی نہ جانے اسکو کہان لیجاتی اگر کسی کے قدمون کی آہٹ اسکو چونکا نہ دیتی۔ اب وہ پھر اسی گرد و غبار کی کثیف دنیا مین سانس لے رہا تھا جہان آدم اور انکے بہکانیوالے پھینکے گئے تھے۔ ادریس کو آواز پر کان لگائے ہوئے مشکل سے چند لمحے ہوئے ہونگے کہ کسی نے سریلی لہجہ مین کہا "آج مجھے دیر ہو گئی۔ دادا آج کچھ بیمار ہین اُنھین کے کامون مین لگی رہی"۔ ادریس کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ مریم اسکی گود مین تھی۔ دونون کے ہونٹ ملے اور محبت کے عہدنامہ پر ایک تازہ مہر لگ گئی

چوبیس گھنٹے کے بچھڑے ہوئے دلون نے جب ایک دوسرے کے ساتھ جی کھول کر اپنے اپنے ارمان نکال لئے تو ادریس کو یاد آیا کہ وہ گھر سے کیا سوچ کر چلا تھا۔ اُسنے اپنی آواز کو غیر معمولی طور پر سنجیدہ اور متین بنا کر کہا "مریم مجھے تم سے آج ایک بات کہنا ہے"

"وہ کیا؟ یہی کہ ہم اب اپنی محبت کو نہین ختم کر دین تو اچھا ہے؟" مریم نے بات کاٹ کر پوچھا

"نہین مریم نہین۔ مجھ پر ظلم نہ کرو۔ مین تمھاری اتنی محبت کرتا ہون کہ اسکے درد سے میرے دل و دماغ پھٹے جا رہے ہین۔ مین نے اس سے پہلے بھی محبت کی ہے مگر وہ محبت نہ تھی ایک خواب تھا۔ لاؤ مین تمھاری چاند سی صورت کو پھر غور سے

دیکھون۔ اسمین اور اُن بے شمار صورتون مین جنکو ابتک دیکھ چکا ہون کیا فرق ہے؟ کچھ نہین۔ مگر نہین اتنا فرق ہے جتنا کہ سورج اور خاک کے ذرون مین۔ مریم تمھاری آنکھون مین نشہ ہے جسکو مین اپنے رگ و پے مین ساری ہوتے ہوئے محسوس کر رہا ہون مین نے شراب پی ہے مگر اس نشہ کا تجربہ مجھے کبھی نہین ہوا تھا۔ ادریس نے مریم کا منہ پھر چوم لیا

مریم نے افسردہ لہجہ مین کہا "مین نے آج دن مین خواب دیکھا ہے کہ آپ بلا وجہ مجھ سے خفا ہو کر چلے گئے ہین اور پھر میرے رونے دھونے کا آپ پر کوئی اثر نہین ہوا۔ مین نے کیسے کیسے خدا کیواسطے دلائے لیکن آپ نے مُڑ کر مجھے دیکھا بھی نہین۔ میرا دل کانپ رہا ہے کہ دیکھئے اس خواب کی تعبیر کیا ہوتی ہے"

"بیکار جی نہ کڑھایا کرو۔ یہ سب تمھارا وہم ہے اور کچھ نہین" ادریس نے جواب دیا "مین آج اسی مسئلہ کو طے کرنے آیا ہون۔ ہمارے دن یون کب تک بسر ہونگے۔ جہان تم ہر طرح سے میری ہو وہان شرعاً بھی میری ہو جاؤ۔ اب زیادہ غور و تامل کا وقت نہین ہے۔ صرف ایک بات میرے دلمین کھٹکتی ہے۔ اس کھٹک کو دور کر دو پھر جس تاریخ کو مناسب سمجھو ہم یہان سے کہین دور جا کر شادی کر لین۔ مین یہ جاننا چاہتا ہون کہ رؤف کے ساتھ تمھارے تعلقات کس قسم کے تھے؟"

مریم مسکرا دی۔ اسکی مسکراہٹ مین خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ شرارت بھی تھی۔ ادریس نے کہا "سچ بتانا ورنہ میرے دل کا بوجھ بڑھتا جائیگا" مریم نے کہنا شروع کیا "رؤف میان نے خود مجھے چھیڑ کر مجھ سے راہ و رسم پیدا کی۔ مین اُن سے بھاگتی رہی۔ وہ میرا پیچھا کرتے رہے۔ آخر کار مجھے بھی ایسے بیدرد کی بے بسی مین مزہ آنے لگا۔ مین اُنکے سارے قصے سُن چکی تھی۔ مین اُن سے کھلکر ملنے لگی لیکن آپکو یقین ماننا ہے تو مانئے کہ آجتک رؤف میان نے میرے جسم کو چھوا تک نہین ہے۔ نہ جانے مجھ مین کیا تھا کہ میرے سامنے اُنکے ہاتھ پاؤن ڈھیلے رہتے تھے۔ جس تاریخ سے مین نے آپکی صورت دیکھی اُن سے ملنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ مجھے کہنا نہین چاہئے۔ اُنھون نے میرے قدموں پر گر گر خوشامدین کی ہین کہ مین اُن سے دامن نہ چھڑاؤن لیکن مین نے اُن سے کھُلے الفاظ مین کہدیا کہ مجھے اُن سے دراصل کبھی کوئی لگاؤ نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ زبردستی کی عشقبازی ہو چکی۔ رؤف میان اسکے بعد بھی اپنی سی کرتے رہے مگر آخر کار مجھے پتھر کی طرح اٹل دیکھکر صبر کر کے بیٹھ رہے۔ مین اُنکی زمین مین بسی ہوئی ہون۔ وہ اگر آج چاہین تو مجھکو یہان سے اُجاڑ سکتے ہین۔ مجھے اسکی بھی پروا نہین ہے۔ مین تو آپ کا سودا مول لے چکی ہون" مریم نے سلسلہ ختم کر کے ادریس کو غرور و پندار کے ساتھ دیکھا۔ ادریس نے اطمینان کی سانس لی اور مریم کو لپٹا کر کہا "تو آج سنیچر کا دن ہے۔ آیندہ جمعہ کو تم میری بیوی ہو گی۔ جمعہ کا دن مبارک دن ہے"

مریم کے چہرہ سے ایک بیچینی کا اظہار ہونے لگا۔ وہ کچھ دیر چپ رہی۔ ادریس نے پوچھا "کیون؟ کیا تمکو منظور نہین ہے؟"

مریم نے ایک آہ کر کے کہا "منظور مجھے سب کچھ ہے مگر نہ جانے کیون میرا دل کہتا ہے کہ آپ مجھ سے شادی کر کے خوش نہین رہ سکینگے۔ میرے اندر بیوی بننے کی قابلیت بہت کم ہے۔ کیا یہ ممکن نہین کہ ہم ہمیشہ یونہی رہین؟ اچھا اس ذکر کو جانے دیجئے۔ دیکھئے چاند بادل کے پردون سے باہر نکل آیا۔ اسکی دھیمی روشنی مین آپ مجھے محبت کے دیوتا معلوم ہوتے ہین۔ آئیے اس رُت اور اس گھڑی سے

سے جو کچھ حاصل ہوسکے حاصل کرلین - آنے والی گھڑیون کی بابت جب مین سوچتی ہون تو طرح طرح کے وسوسے دل مین پیدا ہونے لگتے ہین"

مریم کی آنکھین نم آلودہ تھین - ادریس پر ایک نشہ سا چھا گیا اور اسنے مریم کی کمر مین ہاتھ ڈالکر اسکو لپٹا لیا اور خوب پیار کیا وہ اس سے پہلے بھی مریم کے منہ سے اسی قسم کی شاعری سُن چکا تھا اور اسکو معلوم ہو گیا تھا کہ اس پیکر نور کو اگر باقاعدہ تعلیم و تربیت دیجاتی تو وہ ہندوستان مین ایک چیز ہوتی - آج ادریس مریم کی باتون سے دیر تک لذت نہ اُٹھا سکا - اسکو ایک قطعی فیصلہ پر پہنچنا تھا - اُسنے پھر کہا "مریم ذرا سوچو - دنیا بڑی بُری جگہ ہے - بلا شرع کی زنجیر مین جکڑے ہوئے ہمارا اس طرح ملتے رہنا معیوب سمجھا جا رہا ہے اور ہر طرف شور شین پھیل رہے ہین - ہم دونون بدنام ہو رہے ہین - شادی کے بعد مجھے دنیا کے کہنے سننے کی مطلق پروا نہ ہوگی"

"لیکن آپکی مان کیا کہین گی" مریم نے رکتے ہوئے پوچھا

ادریس نے بلند آہنگی سے جواب دیا "اُنکا جو جی چاہے کہین - مجھے اسکی بھی پروا نہین - مین نے اُنکے روٹی کپڑے کیلئے کافی سامان کر دیا ہے - اُنکو میرے نہ ہونے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی - اب اگر وہ بیٹے کی خوشی مین شرکت کرنا چاہتی ہین تو کرین ورنہ مین سمجھونگا میرے کوئی مان نہ تھی - مین ساری دنیا کی آسائشون کو تج دونگا اور تمھاری جھونپڑی کو بہشت سمجھکر تمھارے ساتھ رہونگا - للہ مریم تم میرے سوال کو رد نہ کرو اور شادی کا اقرار کرلو ورنہ مین پھر کہین کا نہ ہونگا"

مریم مجبور ہو گئی - وہ اپنا دل خون کر سکتی تھی مگر ادریس کو آزردہ کرنا اسکو گوارا نہ تھا - اُسنے صرف ایک شرط پیش کی اور وہ یہ تھی کہ شادی کے بعد بھی وہ اسی طرح بے پردہ سیر و تفریح کیا کریگی - ادریس نے شرط منظور کرلی اور مریم نکاح پر آمادہ ہو گئی وہی جمعہ کا مبارک دن نکاح کا دن ٹھیرا -

---

جمعہ کا وہ دن بھی آگیا - مریم اور ادریس دو دن غائب رہے - اسکے بعد جو لوٹے تو گھر گھر اسکا چرچا تھا - ہر شخص یہی کہہ رہا تھا کہ ادریس کے دماغ مین ضرور کچھ فتور ہے جو اونچے خاندان کی پریزادیون کو چھوڑ کر ایک بے نام و نسب بدقماش بھکارن کو یون گھر مین بٹھا لیا - نکاح کے مفصل حالات کا پتہ نہین - اتنا معلوم ہے کہ ادریس مریم کو لیکر بستی چلا گیا تھا اور وہان قاضی اور گواہون کو جمع کرکے خاموشی کے ساتھ نکاح پڑھوا لیا - دیکھنے والونکا بیان ہے کہ جب دونون واپس ہوئے ہین تو اُنکے چہرون پر اس بشاشت اور شگفتگی کی کوئی جھلک نہ تھی جسکی ایسی حالت مین توقع کی جا سکتی تھی

ادریس کی زندگی مین اب کوئی کمی نہ تھی - جس چیز کی اُسنے آرزو کی وہ اسکو "در پردۂ تقدیر" سے ملگئی - اب اسکو آسودہ ہونا چاہئے لیکن نکاح کے چند ہی گھنٹون کے بعد سے وہ اپنے دل پر ایک بوجھ سا محسوس کرنے لگا جسکو وہ خود بھی نہین سمجھ سکتا تھا کہ کیا ہے - وہ مریم کی صورت دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو رہا تھا مگر اسکے دل کے اندر جو کانٹے کھٹکنے لگے تھے اُنکا علم سوائے اسکے دل کے اور کسی کو نہ تھا

مریم اب ادریس کیلئے کوئی دیوی یا پری یا دیوتی کی کوئی کاہنہ نہ تھی بلکہ دنیا کی ایک معمولی عورت تھی جس کیلئے اسکو دنیا کے طعنون اور سرزنشون کا مقابلہ کرنا تھا۔ مریم اب زمانہ کے تند جھونکون سے محفوظ رہنے کیلئے ادریس کے سایۂ دامن کی محتاج تھی

ادریس مریم کے ساتھ اپنے گھر مین نہ رہ سکتا تھا۔ وہ اپنے قول کا سچا نکلا۔ اُسنے رسول شاہ کی جھونپڑی مین بود و باش اختیار کرلی۔ اس جھونپڑی کو اُسنے اپنی ضرورتون کے مطابق پھر سے بنوایا اور تیواری پور مین ایک نیا مکان تعمیر کرانیکی فکر مین لگ گیا مدرسہ اور دکان کا کام بدستور جاری رہا۔ ممتاز ضروری معاملات مین اب بھی ادریس سے ملکر اس سے مشورہ لیتا رہتا تھا مگر اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونون کے درمیان ایک گہری خلیج حائل ہوگئی ہے۔ ادریس کو مدرسہ کے ساتھ وہی انہماک تھا۔ مگر وہ چارون طرف بدنام ہو رہا تھا اور مدرسہ کا کام خود بخود سُست ہونے لگا تھا

(۱۳)

سات مہینون کی مدت ادریس کو ہر طرف کی انگشت نمائیون سے پناہ ملگئی اور اب کہا جا سکتا تھا کہ مریم اور ادریس دونونکو یکسوئی نصیب ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ادریس پر ردعمل شروع ہو گیا تھا۔ وہ اگر چھپا نہین رہا تھا تو اسکا یہ خیال ضرور پکڑ گیا تھا کہ اُسنے مریم کے ساتھ شادی کرنے مین غیر معمولی عجلت کو راہ دیا۔ ماں کے چھوٹ جانیکا غم اسپر مستزاد تھا اور وہ اس غم مین بھی بہت کچھ گھل رہا تھا۔ ادریس بھی اپنی ماں کی طرح بات کا بچا آدمی تھا اُسنے ایک بار بھی سکینہ سے ملنے کی آرزو ظاہر نہین کی مگر مریم سے اسکا درد چھپا نہ تھا۔ ادریس مریم سے ہنس ہنس کر میٹھی میٹھی باتین کیا کرتا تھا اور مریم اسکی ہنسی مین دُکھے ہوئے دل کی ایک جھلک دیکھ لیتی تھی

دو تین مہینون سے ادریس کی آنکھین سوجی ہوئی تھین۔ پہلے تو اسکو معمولی آشوب سمجھا گیا اور اسکی وجہ کثرتِ مطالعہ بتائی گئی لیکن کچھ دنون سے چارہ گرون کو یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ ادریس کی آنکھین کہین عمر بھر کیلئے بیکار نہ ہو جائین۔ گورکھپور کے ایک ڈاکٹر کا علاج شروع ہوا۔ ادریس کی آنکھون پر پٹی بندھ گئی اور روشنی سے پرہیز کرنیکی سخت تاکید ہوگئی۔ ادریس اسی رسول شاہ کی جھونپڑی مین دن رات ایک اندھیری کوٹھری مین بند رہنے لگا۔ اب اسکا دماغ اپنی پوری جولانی کے ساتھ زندگی کی ناکامیون پر غور کر رہا تھا۔ اسکی اُمیدون کا طلسم ٹوٹ چکا تھا اور اسپر یہ سنگین حقیقت روشن ہو چکی تھی کہ مریم کے ساتھ آسودہ رہنا اس کے لئے اور بھی دشوار ہے

ادریس کا ادھر یہ حال تھا۔ اُدھر مریم کی مایوسیان بھی کچھ کم نہ تھین۔ شادی سے پہلے وہ طرح طرح کے خواب دیکھ رہی تھی اُسکی طبیعت اس خانقاہی زندگی سے اب اُچاٹ ہو چکی تھی۔ اُسنے ادریس کو لکھنؤ اور دوسرے بڑے شہرون کی پرتکلف زندگی کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جو اسکو دلفریب در خوش آئند معلوم ہو رہی تھی۔ اُسنے کئی بار ادریس سے کہا بھی تھا "آپ ناحق ایسے ایسے شہرون کو چھوڑ کر اس اُجڑے دیار مین اپنی زندگی کو خاک مین ملا رہے ہین۔ آپنے ایسی ایسی مشقتون کے بعد علم حاصل کیا۔ اس سے آپکو فائدہ اُٹھانا چاہئے تھا جن شہری دلچسپیون کا آپ ذکر کرتے ہین کاش وہ مجھے میسر ہوتین"، ادریس ہنس کر اسکا جواب دیتا تھا "مریم تمکو اس زندگی کا تجربہ نہین ہے اسلئے اُسکی آرزو کرتی ہو مین جانتا ہون کہ وہ کیسی بےچین زندگی ہے اسلئے اس سے پناہ مانگتا ہون"

شادی کے بعد مریم نے زبردست تحریک شروع کی کہ ادریس اس کورہ کو چھوڑدے اور کسی دور و دراز شہر مین ذریعۂ معاش تلاش کرکے اسکے ساتھ تعیش کی زندگی بسر کرے۔ ادریس برابر ٹالتا رہا۔ آخر کار ایک روز مجبور ہوکر اُسنے نہایت حقارت اور بیدردی سے کہدیا "مین تمھاری اس خواہش کو پورا کرکے اپنی زندگی کو عذاب نہین بناسکتا"۔ مریم نے پھر کچھ نہ کہا مگر اس جواب سے اسکو جو ملال ہوا وہ کبھی اسکے دل سے گیا نہین۔

... مریم کو سب سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ اب ادریس بات بات مین اس سے بگڑ جاتا تھا اور سخت سست کہنے لگتا تھا مریم سب کچھ برداشت کرسکتی تھی لیکن ادریس کی چڑھی ہوئی تیوریان اور اسکی ہر وقت جھڑکیان اسکے لئے زہریلے نشتر سے کم نہ تھین ادریس تھوڑی ہی دیر بعد مریم کو خوشامدین کرکے منانے لگتا تھا اور مریم من بھی جاتی تھی مگر مریم کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اب اسکو تمام عمر انھین کانٹون مین رہنا ہے جنکو خود اُسنے اپنے دل کے خون سے سینچ سینچ کر پرورش کیا ہے۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ ادریس باوجود اپنے دعوی کے مان کو نظر انداز نہین کرسکتا اور چونکہ اپنے کئے کی لاج بھی ہے اسلئے مان سے معافی مانگ کر مصالحت بھی نہین کرسکتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ سارا نزلہ "عضوِ ضعیف" پر گرتا ہے اور مریم موردِ عتاب بنتی ہے۔ اب اسکو یہ فکر تھی کہ کسی طرح مان بیٹے مین ملاپ ہوجائے۔ اس ملاپ سے اسکو یقین تھا کہ ادریس کی کوفت تو قطعاً دور ہوجائیگی اور بہت ممکن اسکی خود اپنی زندگی بھی خوشگوار ہوجائے۔ اس خیال سے ایک دن جبکہ ادریس رات بھر کی بیخوابی کے بعد دوپہر کو سو رہا تھا مریم اُٹھی اور ایک چادر سر سے لپیٹ کر رام نگر کیطرف چلی۔ ادریس کے مکان پر پہنچکر وہ سیدھی اندر داخل ہوگئی۔ سکینہ ایک چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ گھر مین کوئی دوسرا نہ تھا۔ مریم سکینہ کو سلام کرکے اسکے پاس بیٹھ گئی۔ سکینہ نے مریم کو کبھی دیکھا نہین تھا۔ مریم نے اسکو حیرت کا موقع نہین دیا۔ اور بلا کسی تمھید کے اپنا تعارف کرایا۔ سکینہ کے ماتھے پر بل پڑگئے۔ مریم نے چند منٹ کے اندر نہایت اختصار کے ساتھ ادریس کی اندوہناک حالت بیان کردی اور پھر آنکھون مین آنسو بھر کر کہنے لگی "آپ مجھے جو چاہئے سمجھئے اور جو چاہئے کہئے۔ مین آپکو اپنی مان سمجھتی ہون۔ گنہگار مین ضرور ہون لیکن اس گناہ پر میرا کوئی اختیار نہ تھا۔ مین نے آپکے بیٹے کو اس نادانی سے بہت روکنا چاہا مگر اُنھون نے میری ایک نہ سنی اور اب اگر وہ اپنے کئے پر پچھتا نہین رہے ہین تو آپ سے یون چھٹ جانیکے ملال مین گھُل ضرور رہے ہین اگر آپ نے سچے دل سے اُنکو معاف نہ کیا تو مجھے ڈر ہے کہ نصیب دشمنان اُنکی جان پر آبنے گی۔ اگر آپ یہ چاہین کہ مین اُنکو چھوڑ دون تو مین اسپر راضی ہون بشرطیکہ وہ مجھکو چھوڑ سکین۔ میرا خدا مالک ہے۔ کسی نہ کسی طرح زندگی کٹ ہی جائیگی"

مریم کا لب و لہجہ اتنا دردناک تھا کہ پتھر بھی پانی ہوسکتا تھا مگر سکینہ پر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ اسکا چہرہ سرخ ہوگیا اور اسکی صورت سے غیظ ٹپکنے لگا۔ اسمین شک نہین کہ مریم کی صورت اور اسکی باتون کا اسپر کافی رعب چھاگیا تھا اور اسمین بھی شک نہین کہ وہ ادریس پر جان نثار کرسکتی تھی لیکن کسی طرح اس خیال کو اپنے دل سے دور نہ کرسکتی تھی کہ وہ سیدھے اور مریم کوچہ و بازار کی ایک رذیل بدمعاش عورت ہے۔ اُسنے اپنے غصہ مین کانپتے ہوئے ہاتھ سے "دور باش" کا اشارہ کرتے ہوئے، کہا "اپنی سفارش اپنے پاس رکھو اور اپنی چرب زبانی سے کہین اور جاکر کام لو۔ مجھے معلوم ہے کہ ادریس کو میری ضرورت نہین ہے ورنہ

آج وہ مجھ سے یوں منہ موڑ کر میری محبت کو تم پر نہ قربان کر دیتا۔ اب تم ادریس کو بھیک سمجھ کر مجھے واپس دینے کے لئے تیار ہو؟ شاید اب کوئی اور نگاہ پر چڑھ گیا ہے۔ بس اب یہاں سے چلی جاؤ اور پھر میرے گھر میں اپنے قدموں کی برکت نہ لانا،، سکینہ کو اسوقت دیکھنے والے جلاد سمجھتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ضد اور آن والی عورت تھی اسکو اپنی سیادت پر گھمنڈ تھا ورنہ آج وہ مریم کو ضرور اپنی بہو تسلیم کر لیتی۔ مریم آنکھوں میں آنسو بھرے چلی گئی۔ سکینہ اسدن شام تک پڑی سسکیاں لیتی رہی۔

مریم رام نگر سے ملول و دلگیر چلی تھی اور راستہ بھر سکینہ کے برتاؤ پر غور کرتی رہی۔ پرتیا کے قریب پہنچتے پہنچتے اسکا رنج غصہ سے بدل گیا اور اب اسکے خیالات نے پلٹا کھایا۔ سکینہ کے انداز سے اسکو یہ معلوم ہوا تھا کہ اگر ماں بیٹے ملگئے تو اب اسکی اپنی زندگی مصیبت ہو گی۔ اسکو یقین ہو گیا تھا کہ سکینہ کبھی اسکی دوست نہیں ہو سکتی۔ مریم نے اسی جگہ قسم کھائی کہ جہانتک اسکا بس چلیگا وہ یہی کوشش کرتی رہیگی کہ ادریس اور سکینہ میں میل کی کوئی صورت نہ نکلنے پائے۔

مریم جنگل کے اندر سے ہو کر نہیں جا رہی تھی بلکہ اس کھلے ہوئے راستہ سے جا رہی تھی جو آمی اور جنگل کے درمیان سے گذرتا ہے۔ آدھے سے زیادہ راستہ طے ہو چکا تھا۔ مریم اپنے خیالات میں گم تھی۔ اتنے میں بائیں طرف سے کسی نے اسکا نام لیکر پکارا۔ آواز آشنا سی تھی مریم چونک پڑی۔ دیکھا تو جنگل کے کنارے رؤف کھڑا تھا۔ رؤف نے نگاہوں سے التجا کرتے ہوئے کہا "اگر کوئی ہرج نہ ہو تو اتنی مدت کے بعد دو باتیں مجھ سے بھی کرتی جاؤ" مریم ہچکچاتے ہوئے رک گئی۔ رؤف قریب آگیا اور چند منٹ تک مریم کو پرستارانہ نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ مریم نے گھبرا کر کہا "مجھے جلد گھر پہنچ جانا چاہئے۔ کہئے آپکو کیا کہنا ہے" رؤف نے محسوس کر لیا کہ مریم اب وہ مریم نہیں ہے۔ اسلئے کہ اسکے لہجہ میں آج وہ اکڑ وہ خودداری وہ معصومانہ سرکشی نہ تھی۔ رؤف نے ایک آہ کر کے کہا "خدا جانے تمنے اپنی زندگی بنائی یا نہیں مگر مجھکو تو بری طرح مٹی میں ملا دیا۔ یوں تو بظاہر میں جیسا تھا ویسا اب بھی ہوں مگر کہہ نہیں سکتا تمھاری صورت دیکھنے کو تمھاری باتیں سننے کو ترستا ہوں۔ اب اور کوئی آرزو کرنا تو بیکار ہے لیکن کیا یہ امید بھی ناجائز ہے کہ کبھی کبھی اپنی صورت دکھا دیا کرو۔ تم آزاد اب بھی ہو اور اتنا کر سکتی ہو۔ کہو تو میں اسی جگہ روز آیا کروں،، مریم نے سراسیمہ ہو کر جلدی سے جواب دیا "نہیں آپ اسکی کوشش نہ کیجئے۔ میں بدنام ہو جاؤنگی۔ ہاں اگر آپ کی حسرت صرف اسقدر رہے تو مجھ سے جب کبھی ہو سکیگا آپکو اپنا شامت زدہ منہ دکھا دوں گی"

مریم رخصت ہو جانا چاہتی تھی۔ مگر رؤف نے پوچھا "کیوں مریم شامت زدہ کیوں؟ کیا تم خوش نہیں ہو؟،، مریم نے ملاقات کو مختصر کرنے کے لئے کہا،، مجھے کوئی شکایت نہیں۔ مجھے خدا کا دیا سب کچھ ملا ہے۔ لیکن اسکا کیا علاج کہ میں دنیا میں خوش رہنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہوں۔ میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو یقیناً خوش ہوتا" یہ کہکر وہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

ادریس ابھی سو رہا تھا۔ مریم بیٹھکر اپنی گذشتہ اور موجودہ زندگی کا موازنہ کرنے لگی۔ کیا اسکے حق میں یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ بلا کسی قسم کی زنجیر میں اپنے کو جکڑے ہوئے اپنی تمام عمر گذار دیتی؟ یا اگر اسکو کسی کا پابند ہی ہونا تھا تو کیا رؤف ادریس سے زیادہ مستحق اور اس سے زیادہ موزوں آدمی نہ تھا؟ آج پہلا دن تھا کہ مریم نے رؤف کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ لیکن ادریس کے مقابلہ میں رؤف کا خیال آتے ہی اسکو اپنی ذات سے شرم آنے لگی اسنے "توبہ توبہ" کر کے فوراً اس خیال کو اپنے ذہن سے دور کر دیا اور آہستہ سے ادریس کو جا کر جگا دیا۔ ادریس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ مریم اتنی دیر میں کہاں کہاں ہو آئی اور کیا کیا کر آئی مریم نے بھی ادریس سے آج کے واقعات کا کوئی ذکر نہیں کیا

(باقی)

مجنوں گورکھپوری

حکومت برطانیہ کی وسعت کا راز

اور

قبضۂ ہندوستان کی دلچسپ داستان

ہم نے ہندوستان کس طرح فتح کیا؟

یہ سوال کہ ہمنے ہندوستان کس طرح فتح کیا، اُن سوالات سے جنکو مین نے گذشتہ سلسلۂ تقریرین اُٹھایا تھا، قطعی مشابہ نہین ہے۔ دنیائے جدید مین ہمارے نوآبادکارون نے یقیناً ایک وسیع خطہ پر تصرف کرلیا تھا لیکن وہ نسبتہً غیر آباد تھا، جن مشکلات کا اسکو مقابلہ کرنا پڑا زیادہ تر وہان کے دیسی باشندون کی طرف سے نہین تھین بلکہ یورپ کی دوسری قومون کی رقابت سے پیدا ہوئی تھین۔ مین کسی حد تک بیان کرچکا ہون کہ رفتہ رفتہ کن کن طریقون سے ہم نے ان حریفون پر فوقیت حاصل کی۔ اس سوال کا جواب گو بادی النظر مین بالکل کھلا ہوا نہین معلوم ہوتا تاہم اسکا دریافت کرلینا زیادہ مشکل نہین۔ برخلاف اسکے یہ سوال کہ ہندوستان کس طرح فتح ہوا پہلی ہی نظر مین نہایت پریشان کن معلوم ہوتا ہے۔ یہان آبادی گنجان تھی، یہان کا تمدن، (گو اسکا سرچشمہ بالکل مختلف تھا) ایسا ہی حقیقی اور قدیم تھا جیسا ہمارا اپنا۔ ہم نے یورپ کی تاریخ مین متعدد مثالین ایسی دیکھی ہین کہ ایک سمجھدار قوم کو جو زبان و مذہب مین اپنے حملہ آورون سے قطعی مختلف تھی، فتح کرنا بالکل ناممکن ہوگیا۔ ہسپانیہ کی پوری طاقت اسّی سال مین بھی ڈچ کے صوبون کو جنکی آبادی نہایت مختصر تھی نہ فتح کرسکی۔ یہی حال پرانے زمانہ مین سوئٹزرلینڈ والون اور حال مین یونانیون کا تھا کہ وہ مغلوب نہ ہوسکے اور ٹھیک اُسی وقت جب ہم نے ہندوستان کی فتح کا پہلا قدم اُٹھایا، ہم امریکہ کے ۳۰ لاکھ باشندون کو جو ہماری ہی نسل سے تھے تاج برطانیہ کا وفادار رکھنے مین ناکام رہے۔ یہ کیسا عجیب اجتماع ضدین ہے! انگریزون نے جنگ امریکہ کی سی مایوس کن نااہلی کبھی نہین دکھلائی اسوقت بظاہر یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ انکے عروج کا زمانہ ختم ہوگیا اور انگلینڈ کا زوال شروع ہوگیا۔ لیکن اُسی وقت ہندوستان مین وہ بحیثیت ایک ناقابل مقاومت فاتح کے نظر آرہے تھے اور اپنی اسی فوقیت کو دیکھکر وہ اپنے کو بہادرون کی ایک قوم سمجھنے لگے تھے۔ اس اختلاف کی کیا تشریح ہوسکتی ہے؟

تاریخ کا مطالعہ اسقدر سطحی نگاہ سے . . . . کیا جاتا ہے کہ یہ اختلاف بالکل . . . نظر انداز ہو جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ ہماری نظرون کے سامنے فتح کی ایک جھلک آجاتی ہے جسکی وجہ سے ہم خیال کرتے ہین کہ باوجود ان باتون کے اُسوقت ہمارے اندر آثار حیات موجود تھے۔ یقیناً (اگرچہ اس اختلاف کی تاویل کتنی ہی مشکل معلوم ہو) اسمین کوئی شبہہ نہین ہے کہ بارہا ہندوستان مین پلاسی یا دوسرے موقعون پر ہماری فوجون نے خوفناک مشکلات کے باوجود فتوحات حاصل کین۔ اگر ہم یہان اپنی قومی برتری پر ناز کرین اور محسوس کرین کہ ہندؤن کے مقابلہ مین ہم خوفناک لوگ ہین تو کوئی مضائقہ نہین۔

لیکن سچ مچ کیا یہ دعوی اس مشکل کو رفع کرسکتا ہے؟ فرض کرو کہ ایک انگریز سپاہی ۱۰ یا ۲۰ ہندؤن کے برابر ہے۔ کیا اسوقت بھی یہ قیاس مین آسکتا ہے کہ انگریزون نے سارے ہندوستان کو فتح کرلیا جس وقت یہ فتح شروع ہوی انگریزون کی کل تعداد ۱۲ ملین (ایک کروڑ ۲۰ لاکھ) تھی اور ہندوستان کے علاوہ انکو دوسری جگہون پر بھی لڑائیان درپیش تھین۔ کلایو کا کچھ زمانہ یورپ کی جنگ ہفت سال مین پڑتا ہے اور جب ہم نپولین سے برسرپیکار تھے تو لارڈ ویلزلی ہندوستان مین بڑے بڑے ملحقات کا اضافہ کررہا تھا ہماری سلطنت فوجی نہین ہے۔ اُس زمانہ مین ہم کوی زبردست نبرد آزما فوج رکھنے کے قابل نہین تھے اور نہ ہمکو اس کا دعوی تھا۔ اسطرح یورپ کی جنگون مین ہم عام طور پر بحری بیڑون سے کام لیتے تھے اور جب خشکی پر مقابلہ کی نوبت آتی تو کسی اپنے حلیف کے طرفدار ہوجاتے۔ چنانچہ کبھی آسٹریا کا ساتھ دیتے اور کبھی پروشیا کا۔ باوجود اپنی بری طاقت کی کمزوری کے ایسے وقت مین کیونکر ممکن تھا کہ ہم ہندوستان کے بڑے حصہ پر فتح حاصل کرتے جسکا رقبہ تقریبًا ۱۰ لاکھ مربع میل اور آبادی ۲۰ کروڑ تھی۔ اسکی وجہ سے ہماری فوجی قوت اور خزانہ پر کتنا بار پڑا ہوگا۔ تاہم کسی وجہ سے یہ بار کبھی محسوس نہین ہوا۔ یورپ کی جنگون نے ہم پر اتنا قرض لاد دیا جو کبھی ادا نہ ہوسکا۔ لیکن ہندوستان کی جنگون سے ہمارے قومی قرضہ مین مطلق اضافہ نہین ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جو کچھ محنت و مشقت ہمکو وہان برداشت کرنا پڑین انکا کوی اثر باقی نہ رہا۔

اسلئے ضرور اس موجودہ خیال مین کچھ غلطی ہے کہ انگلینڈ سے سپاہی ہندوستان گئے اور انھون نے اپنے شجاعت اور ذہنی تفوق کی بدولت سارے ملک کو فتح کیا۔ سنہ ۱۸۰۳ء مین مرہٹون سے جو بڑی لڑائی ہوی اس مین ہمارے ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی تھے لیکن یہ کسقدر حیرت کا مقام ہے یہی وہ زمانہ ہے جب جنگ نپولین کے بعد ہماری بے سروسامانی اور بے بضاعتی حد درجہ المناک تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ جنگ واٹرلو کے تین ہی سال بعد ہم ہندوستان مین اتنے بڑے پیمانہ پر جنگ مین مصروف ہوتے اور ہمارے پاس اتنے سپاہی ہوتے جتنے لارڈ ولنگٹن کے پاس اسپین مین بھی نہ تھے۔ پھر اس وقت بھی ہندوستان مین ہماری فوجی قوت صرف ۲ لاکھ نفوس ہے۔ صرف دو لاکھ سپاہی! درانحالیکہ ہماری سلطنت بھی فوجی سلطنت نہین ہے!!

درحقیقت مین جس بات کی طرف اشارہ کررہا ہون تم اُسکو سمجھ رہے ہو۔ ہم سب جانتے ہین کہ یہ ہندوستانی فوج خالص انگریزی نہین ہے بلکہ اسمین غالب عنصر دیسی فوج کا ہے۔ ۲ لاکھ مین سے صرف ۶۵۰۰۰، یعنی ایک تہائی سے بھی کم اسمین انگریز سپاہی ہین اور یہ تناسب غدر کے بعد سے قائم کیا گیا جب سے کہ انگریزی سپاہ مین اضافہ اور دیسی فوج مین تخفیف کی پالیسی شروع ہوئی۔ اسطرح غدر کے وقت انگریزی سپاہ کی تعداد صرف ۴۵۰۰۰ تھی اور اُسکے مقابلہ مین دیسی سپاہ ۲۳۵۰۰۰ تھی یعنی انگریزی سپاہ ہندوستانی سپاہ کے بقدر ۱/۵ تھی پھر سنہ ۱۸۰۸ء مین دیکھتا ہون کہ انگریزی سپاہ ۲۵۰۰۰ تھی اور دیسی سپاہ ۱۳۰۰۰۰ یعنی ۱/۵ سے بھی کم۔ یہی تناسب سنہ ۱۷۷۳ء مین بھی تھا جسوقت برطانوی ہند اور ریگولیٹنگ ایکٹ وجود مین آئے۔ اسوقت کمپنی کی فوجی قوت ۹۰۰۰ یوروپین اور ۴۵۰۰۰ دیسی سپاہ پر مشتمل تھی۔ اس سے قبل یوروپین سپاہ کا تناسب مین اس سے بھی کم پاتا ہون یعنی صرف ۱/۲ اگر اسی طرح ہم پیچھے ہٹتے جائین تو دیکھین گے کہ شروع شروع مین ہندوستانی فوج کلیتہً دیسی ہی تھی، یوروپین سپاہ کا اسمین نام بھی نہین تھا۔ کرنیل جسنے Col. Chesney اس کے متعلق تاریخی نقطۂ نگاہ سے یون لکھتا ہے،،

"کمپنی کی ہندوستانی فوج ۱۷۴۸ء مین وجود مین آئی جب فرانسیسیون کی دیکھا دیکھی اپنے تحفظ کے لئے اُسنے مدراس مین ایک مختصر دستہ سپاہ کا مرتب کیا۔ ٹھیک اُسی وقت یوروپین سپاہ کا ایک دستہ بھی مرتب ہوا، جس مین وہ ملاح شامل تھے جو جہاز کے کام سے فاضل بچتے تھے یا وہ لوگ ہوتے تھے جنکو کمپنی کے جہاز ران انگلینڈ سے پھنسا کر لاتے تھے۔"

کمپنی کی ابتدائی لڑائیون مین، جنکی بدولت اسکو استحکام نصیب ہوا، ہر موقع پر، محاصرہ ارکاٹ محاصرہ پلاسی، اور بکسر مین، اسکے دیسی سپاہیون کی تعداد یوروپینون سے زیادہ تھی۔ یہان پر ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ ہمارا یہ خیال نہین ہے کہ دیسی سپاہ لڑنے مین نالائق تھی یا میدان جنگ مین سارا بوجھ یوروپینون ہی پر پڑتا تھا جس شخص کا ایسا طفلانہ خیال ہو۔ ایسا خیال عام طور سے مورخین اپنے غرور قومیت مین ظاہر کرتے ہین۔ اسکو یہ سنکر ہرگز متعجب نہین ہونا چاہتے کہ انگریز مصنفین دیسی سپاہ کی حقیقت کا اندازہ کرنے مین بالکل قاصر تھے۔ میکولے نے کلایو پر جو مضمون لکھا ہے اسکو پڑھو، تم اسمین ایسے تعریفی کلمات بھرے پاؤگے، "شاہی قوم"، "سمندر کی بہادر اولاد" "کلایو اور اُسکے ہمقوم انگریزون سے کوئی مقابلہ نہین کر سکتا تھا"، لیکن اگر ایک مرتبہ تسلیم کر لیا جائے کہ دیسی سپاہ ہمیشہ انگریزون سے تعداد مین زیادہ تھی اور ہر موقع پر جنگی لیاقت مین انگریزون کے ہم پلہ تھی تو ہماری کامیابی کا سارا دعویٰ جسکی بنا ہماری غیر محدود فطری شجاعت کی برتری پر ہے، متزلزل ہو جائیگا۔ جن لڑائیون مین ہماری فوج دشمن کے مقابلہ مین "ایک اور دس" کی نسبت رکھتی تھی اگر ہم کہین کہ ایک انگریز دس دیسی کے برابر تھا تو یہی بات ایک دیسی سپاہی کے لئے بھی صادق آسکتی ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ دونون سپاہ مین فرق تھا لیکن یہ فرق قومیت کا نہین تھا بلکہ ڈسپلن اور فن جنگ کا اور اکثر اوقات بلاشبہ سپہ سالاری کا تھا۔

تم دیکھوگے کہ مِل (Mill) نے "فتح ہند" کی جو سرسری تفصیل لکھی ہے اسمین انگریزون کی اس فطری برتری کا کہین ذکر نہین ہے۔ وہ لکھتا ہے "ہندوستان کی فتح دو اہم باتون کے دریافت پر منحصر تھی، پہلی یہ کہ دیسی فوج یوروپین فوج کے مقابلہ مین بے قاعدہ ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ یوروپین ملازمت مین رہنے والی دیسی سپاہ کو فوجی قواعد سکھانا آسان ہوتا ہے۔ یہ دونون باتین فرانسیسیون نے دریافت کی تھین"۔

اگر ہم تسلیم بھی کر لین کہ انگریزی سپاہ لڑنے مین دیسی سپاہ سے عمدہ تھی اور مشترکہ فتوحات مین اول الذکر کا حصہ زیادہ تھا تو بھی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ انگریزی قوم نے ہندوستانی قوم کو فتح کیا۔ . . . . . . ہندوستانی قومون کو اس فوج نے زیر کیا جسمین صرف ⅕ حصہ انگریزی عنصر تھا۔ ہم ان کامیابیون مین نہ صرف اپنی کارگذاری کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرتے ہین بلکہ شروع سے ان کی حقیقت ہی کو غلط سمجھتے اور غلط بیان کرتے ہین۔ بھلا فوج کا ⅘ حصہ کس قوم کی سپاہ سے تھا۔ دیسی ہندوستانیون سے۔ لہذا یہ کہنا کہ ہندوستان کو غیر ملکیون نے فتح کیا مشکل سے صحیح ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کو خود ہندوستانیون نے فتح کیا۔ اگر ہم ہندوستان کو فرانس یا انگلینڈ کی طرح متحد القوم سمجھنے مین برسرحق ہوتے، حالانکہ ہم نہین ہین، تو کبھی نہ کہتے کہ وہ غیر ملکی دشمنون سے دب کر چور چور ہو رہا تھا۔ بلکہ ہمکو کہنا چاہتے کہ اُسنے فتنہ و فساد اور طوائف الملوکی سے نجات حاصل کرنے کے لئے صرف ایک حکومت کے آگے گردن جھکا دی اگرچہ وہ حکومت غیرون ہی کی تھی۔

ہندوستان کی یہ تعریف یا اُسکے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ سیاسی اعتبار سے متحد تھا قطعی غلط اور مبالغہ آمیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نہ تو سیاسی اعتبار سے اور نہ کسی دوسرے صحیح مفہوم مین ہندوستان تھا۔ یہ لفظ محض ایک جغرافیای اصطلاح ہے یہی وجہ تھی کہ ہندوستان اس آسانی کیساتھ فتح ہوگیا۔ بالکل یہی حالت اطالیہ اور جرمنی کی تھی جو نپولین کے پنجہ مین آگئے تھے۔ کیونکہ دراصل اطالیہ اور جرمنی کا وجود حقیقی معنون مین تھا ہی نہین انمین قومیت کا جذبہ بالکل مفقود تھا۔ نپولین جرمنی کی ایک ریاست کو دوسری ریاست کے مقابلہ مین کھڑا کردیتا یا جب وہ اسٹریا یا پروشیا سے برسرپیکار ہوتا تو اُسکی حلیف بویریا اور ورٹمبرگ کی ریاستین ہوتین۔ جس طرح نپولین نے دیکھا کہ وسط یورپ مین فتوحات حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہایت کامیاب ہے اُسی طرح ڈوپلے نے شروع شروع ہندوستان مین بھی قیام سلطنت کے اس طریقہ کو موثر پایا بشرطیکہ وہان کسی یورپین حکومت کے مستحکم کارخانجات ہون۔ اُسنے دیکھا کہ یہان ہر ایک ریاست دوسری ریاست سے خانہ جنگی مین مبتلا ہے اگر انکی باہمی لڑائیون مین کوی غیر ملکی دخل دیدے تو بلاشبہہ انکی قوت متوازن کرنیکی کنجی اسی کے ہاتھ مین ہوگی۔ ڈوپلے نے اس تجویز پر عمل کیا۔ چنانچہ ہندوستان مین اہل یورپ کی سلطنت کی ابتدا اُسوقت ہوی جب فرانسیسیون نے حیدرآباد کی اُس لڑائی مین دخل دیا جو نظام الملک اعظم کی جانشینی کے سوال پر ۱۷۴۸ء مین ہوئی تھی۔

اسلئے حقیقت امر یہ ہے کہ ہندوستان کو اجنبیون سے مغائرت ہی نہین تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ وہان قومی اتحاد مفقود تھا۔ اور صحیح معنی مین نہ ہندوستانی ہندوستانی تھے اور نہ غیر ملکی غیر ملکی اس حد تک، جیسا کہ مین نے اشارہ کیا ہے، یورپ مین بھی اسکی مثال موجود ہے۔ جب ہم اس حقیقت پر غور کرتے ہین کہ ہندوستان کو انگریزون نے دیسی سپاہ کی مدد سے فتح کیا تو ہمکو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہان قومیت کا احساس اس سے کہین زیادہ مردہ ہوچکا تھا جتنا کہ اسّی سال پہلے جرمنی مین تھا۔ نپولین نے بویریا کو آسٹریا کے خلاف یا دونوں کو پروشیا کے خلاف لڑا دیا، لیکن اس نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ بویریا، آسٹریا یا پروشیا کو آپس میں لڑا دے کیونکہ ان میں کچھ نہ کچھ احساس قومیت کا موجود تھا۔ . . . . نپولین ایک معاہدہ کی روسے بویریا کے صدر سے آسٹریا پر حملہ کیوقت ایک فوج حاصل کرتا ہے لیکن وہ محض روپیہ کی بدولت جرمنون کی فوج مرتب کرکے خود جرمنی کو نہین فتح کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان مین ایسا ہی ہوا۔ یورپ کے اندر اگر تم اسکی مثال سمجھنا چاہو کہ ہندوستان کو ایسی فوج نے فتح کیا جسمین ۵/۶ دیسی سپاہ تھی اور صرف ۱/۶ انگریزی تو تم فرض کرو کہ انگلینڈ نے فرانس پر حملہ کیا اور فرانسیسیون کو معقول تنخواہ دیکر اسقدر کافی فوج بھرتی کرلی کہ فرانس فتح ہوگیا۔ اُف یہ خیال ہی کسقدر ہیبتناک ہے۔ تم متعجب ہوگے کہ فرانسیسی فوج اور چپ چاپ فرانس پر حملہ کرے۔ تاہم اگر تم غور کرو تو محسوس کروگے کہ ایسا ہونا ممکن تھا بشرطیکہ فرانس کی گذشتہ تاریخ مختلف ہوتی۔ ہم خیال کرسکتے ہین کہ فرانس مین قومیت کا جذبہ کبھی پیدا ہی نہین ہوا اور یہ بہت آسان ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ بارھوین صدی شاہ پیرس اور شاہ رُون (Rouen) کی خانہ جنگیون سے بھری ہوی ہے۔ ہم اپنے سلسلہ خیال کو آگے بڑھائین تو دیکھینگے کہ فرانس کے مختلف حصون مین جو حکومتین قائم تھین اُنمین کی بیشتر غیر ملکی تھین یعنی ملک پہلے ہی سے غیر ملکی حکمرانون کے جوے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ایسے ملک مین اگر خارجی اثرات سے ایسی ابتری رونما ہوجائے کہ کرایہ پر لڑنا ایک منفعت بخش پیشہ سمجھا جانے لگے تو ملک زر پرست اور پیشہ ور سپاہیون سے بھر جائیگا۔ ایسے سپاہی ہر حکومت سے لڑنے کے لئے تیار ہوجائینگے چاہے وہ ملکی ہو یا غیر ملکی۔

ہندوستان کی حالت بالکل ایسی ہی تھی۔ انگریزون نے وہان غیر ملکی غلبہ کی بنا نہین ڈالی کیونکہ وہ پہلے ہی سے موجود تھا

اس موضوع کے متعلق ہم نے ایک مخصوص غلط فہمی پیدا کردی ہے۔ یورپین قوم سے مراد وہ قوم ہے جو ایک خاص حصۂ ملک پر قابض ہو۔ ہمارے نزدیک ایسی قومیت معمولی شے ہے حالانکہ یہ نہایت غیر معمولی ہے۔ اسی قومیت کے تخیل پر ہماری حب الوطنی اور تمام قومی خصائل حمیدہ کی بنا ہے ہندوستان میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قومیت کا مفہوم بالکل پراگندہ ہے۔ یہی نہیں کہ گیارھویں صدی سے ملک اسلامی حملوں سے محصور تھا بلکہ اگر ہم اس سے اور پہلے نظر کریں تو دیکھینگے کہ مختلف قومیں ایک دوسرے سے مل جل گئی ہیں، ایک قوم دوسری قوم پر غلبہ کئے ہوئے ہے۔ وہ سنسکرت بولنے والی آرین قوم جو برہمنیت کی خالق ہے جو ہندوستان میں نام نہاد اتحاد قائم کرنے کی دعویدار ہے خود ایک حملہ آور قوم ہے اور بحیثیت حملہ آور ہونے کے اپنے اندر قدیم اقوام کو جذب کرنے سے قاصر رہی۔ یورپ میں قدیم قوم بالکل غائب ہو چکی ہے یہاں تک کہ یورپین زبانوں میں اُسکے وجود کا کوئی نشان نہیں باقی ہے برخلاف اسکے ہندوستان میں قدیم اقوام ہر جگہ ظاہر ہیں۔ وہاں کی مروجہ زبانیں سنسکرت کی مسخ شدہ شکلیں نہیں ہیں بلکہ سنسکرت اور قدیم زبانوں کی آمیزش کا نتیجہ ہیں۔ جنوبی ہند میں تو ان زبانوں میں سنسکرت کی بُو بھی نہیں ہے۔ برہمنیت جو بادی النظر میں عالمگیر معلوم ہوتی ہے نظر غائر سے مطالعہ کرنے پر محض چند اصول فلسفہ کے مبہم مجموعہ کا نام رہ جاتی ہے۔ جسنے متضاد اور بے جوڑ اوہام یگانگت کی جھلک پیدا کردی ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہندوستان میں وہ بنیادی دعوی ہی مفقود ہے جس پر مغربی اصول سیاست کی بنیاد ہے۔ وہاں وہ قومیت ہی نہیں جس پر قومی حکومت ممکن ہو۔ اسکے ثبوت کے لئے ہمکو بہت پیچھے جانے کی ضرورت نہیں ہے بس اتنا دیکھنا کافی ہے کہ محمود غزنی کے زمانہ سے ہندوستان میں اسلامی حملہ کا ایک مستقل سیلاب آتا رہا مغلوں کی آمد سولھویں صدی میں تھی اور اس سے بہت پیشتر وہاں کی اکثر حکومتیں اسلامی تھیں۔ اس لئے اُسی وقت سے ہندوستان کی اکثر ریاستوں میں قومیت کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ حکومتوں کی بنیاد اب عدل و انصاف پر نہیں تھی۔ انکو اب حق نہیں باقی رہا کہ وہ قومیت اور حب الوطنی کے نام پر اپیل کریں۔

ان حالات کے اندر ہندوستان کی فتح کی تشریح ہندوستانیوں کو دوسری قوموں سے فروتر سمجھے بغیر ممکن ہے۔ بنا برآں کوئی وجہ نہیں کہ ہم خواہ مخواہ انگریزوں کو دوسری قوموں سے اعلی خیال کریں۔ ہمارے نزدیک انسان کا اپنے ملک کی خاطر غیر ملکیوں سے لڑنا ایک فرض ہے لیکن لیکن سوال یہ ہے کہ اُسکا ملک کیا ہے؟ جب ہم اس خیال کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ انسان ایک ایسی قوم میں پیدا ہو کر پرورش پائے جو بطور ایک بڑے خاندان کے سمجھی جاتی ہو اور وہ فطری طور پر ملک کو بمنزلہ اپنی ماں کے سمجھتا ہو لیکن اگر قوم کی ترکیب ایسی نہیں ہے بلکہ اس میں دو یا تین قوموں کی آمیزش ہو جو آپس میں ایک دوسرے سے نفرت کرتی ہوں اور زیادہ سے زیادہ اپنے گانوں کو گھر سمجھتی ہوں تو ایسی صورت میں وہاں کے باشندوں کا کوئی قصور نہیں اگر انمیں بجائے حب الوطنی کے گانوں کی محبت ہو۔ پہلے پہل غیر ملکی جوے کو اپنے کندھے پر رکھنا اور چیز ہے اور ایک غیر ملکی جوے کو ہٹا کر دوسرا غیر ملکی جوا رکھنا بالکل دوسری چیز ہے۔

ہندوستان کی فتح کا تعجب خیز پہلو یہ نہیں ہے کہ وہ انگریزوں کو نصیب ہوئی بلکہ یہ ہے کہ انگلینڈ کو اس کے لئے کوئی محنت یا کوشش نہیں کرنا پڑی۔ ہم اتنی بڑی آبادی فتح کرنے میں مصروف تھے جو یورپ کی آبادی کے برابر تھی لیکن انگریزوں نے نہ تو کوئی ٹیکس دیا، نہ انگریزی حکومت نے قرضہ لیا نہ کبھی جبری فوجی بھرتی ہوئی، نہ کبھی آدمیوں کی قلت محسوس ہوئی اور نہ ہمکو دوسری جنگوں کے جاری رکھنے میں کوئی دقت ہی محسوس ہوئی۔ بظاہر یہ صورت ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے لیکن میں نے اسکی وجہ بیان کردی ہے جہاں تک ان لڑائیوں کی مالی حالت

کا تعلق ہے وہ عام اصول جنگ کے مطابق تھی۔ فتح ہمیشہ اپنا خرچ آپ برداشت کرتی ہے۔ پنولین کو کبھی مالی پریشانی نہین ہوی کیونکہ وہ ہمیشہ انھین کے صرفہ پر رہتا تھا جنکو مغلوب کرتا تھا۔ اسی طرح ہندوستان بھی ہندوستان ہی کے روپیہ سے فتح ہوا۔ اب صرف یہ سمجھنا مشکل ہے کہ آخر فوج کس طرح فراہم ہو سکتی تھی۔ اور یہ مشکل بھی رفع ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ اس فوج کا بڑا حصہ ہمیشہ دیسی سپاہ پر مشتمل ہوتا تھا

اگر ہم بغور دیکھین تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان پر حصول سیادت کے لئے لفظ "فتح" کا استعمال صرف ناموزون ہی نہین بلکہ قطعی مغالطہ آمیز ہے۔ کیونکہ اس طرح ہم ہر واقعہ کو ایسی صورت مین تقسیم کرنے کے مرتکب ہونگے جس سے وہ دراصل مشابہ نہین ہے بلاشبہہ اس سے قبل مین نے اچھی طرح بیان کر دیا ہے کہ جب کبھی یہ لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے کہین زیادہ جامع تعریف کا متقاضی ہوتا ہے جتنی عام طور سے لوگ اسکی کرتے ہین نیز یہ کہ اسکے بہت سے دوسرے معنی بھی ہوتے ہین۔ یقیناً یہ لفظ اسی موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جب ایک سلطنت دوسری سلطنت کے خلاف کوئی قدم اُٹھاتی ہے، دو سلطنتون مین جنگ ہوتی ہے ایک حکومت کی فوج دوسرے کی فوج پر حملہ آور ہوتی ہے اور اسکو درہم برہم کر دیتی ہے یا ایسی ذلیل صلح پر مجبور کرتی ہے جو اُسکی آزادی سلب کرنیوالی ہوتی ہے۔ اسی کا نام صحیح معنون مین فتح ہے۔ اب چونکہ ہم کہتے ہین کہ انگلینڈ نے ہندوستان کو فتح کیا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ان دونون ملکون کے درمیان اس قسم کا کوی واقعہ ہوا۔ سکندر اعظم نے جب مملکت فارس کو فتح کیا تو حکومت مقدونیہ اور حکومت فارس کے درمیان جنگ ہوی تھی جسکا نتیجہ فارس کی شکست مین ظاہر ہوا۔ جب سیزر نے گال (Gaul) فتح کیا تو وہ جمہوریت روم کی طرف سے ایک عہدہ پر ممتاز تھا۔ وہان کی سنیٹ نے اسکو سلطنت رومہ کی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ لیکن ہندوستان مین اس قسم کا کوئی واقعہ نہین ہوا شاہ انگلینڈ نے نہ تو مغل بادشاہ سے اور نہ کسی راجہ یا نواب ہی سے اعلان جنگ کیا۔ سلطنت انگلینڈ کو ہندوستان کی فتح سے کبھی کوئی تعلق نہ ہوتا اگر اول الذکر کو فرانسیسون سے پانچ مرتبہ جنگ کی نوبت نہ پڑی ہوتی جب فرانسیسی قبضہ ہندوستان مین اچھی طرح جم گیا تو انگریزون کو اُنسے لڑنے کی ضرورت لاحق ہوی۔ اور چونکہ انکی بعض لڑائیان ہندوستان مین ہوئین اسلئے قدرتاً ایک حد تک ایسٹ انڈیا کمپنی اور دیسی ریاستون سے بھی انکا تعلق ہو گیا۔ اگر ہم اس واقعہ کی ماہیت کو واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہین تو چاہئے کہ صورت حالات کو جو بالکل اتفاقی تھی نظر انداز کر کے غور کرین۔ اُسوقت ہم دیکھینگے کہ ہندوستان مین درحقیقت کوئی ایسی بات نہین ہوئی جسکو "فتح" سے تعبیر کیا جا سکے حقیقت یون ہے کہ چند سوداگر ہندوستان کے ساحلی شہرون مین آباد ہو گئے۔ جب سلطنت مغلیہ کو زوال شروع ہوا اور بدامنی رونما ہوی تو انھون نے مجبوراً اپنی فوجی تنظیم کی اور کچھ فوج بھی ملازم رکھ لی۔ ان فوجون کی مدد سے انھون نے رفتہ رفتہ سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا حسن اتفاق سے یہ سوداگر انگریز تھے جنکی ملازمت مین کچھ انگریزی سپاہ بھی تھی۔

اب اسکو غیر ملکی "فتح" نہین کہہ سکتے البتہ اندرونی انقلاب کہہ سکتے ہین۔ کسی ملک مین جب حکومت کو زوال ہوتا ہے اور بدامنی کا دار دورہ شروع ہو جاتا ہے تو عام قاعدہ یہی ہے کہ ملک کی باقی ماندہ منظم قوتون مین زور آزمائی شروع ہو جاتی ہے اور جو سب سے زیادہ زبردست ثابت ہوتی ہے وہ اپنی حکومت قائم کر لینے مین کامیاب ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرانس مین جب مجلس باربن (Bourbon) کم

زوال ہوا تو پیرس کی میونسپلٹی نے جو برسر اقتدار تھی سلطنت کی عنان اپنے ہاتھ مین لے لی۔ اور پھر تھوڑے ہی دنون بعد جب اسکو زوال ہوا تو بوناپارٹ نے اپنی فوجی حکومت قائم کرلی۔ ہندوستان بھی ۱۷۵۰ء مین سلطنت مغلیہ کے انحطاط کیوجہ سے بدامنی مین مبتلا تھا۔ یہ انحطاط ۱۷۰۷ء مین اورنگ زیب کی وفات کے بعد سے شروع ہوا۔ ہر جگہ چھوٹے چھوٹے صاحب اثر سردارون نے منظم ہوکر برسر اقتدار ہونا چاہا۔ یہ طاقتین عام طور سے جیسا کہ ہندوستان کا دستور تھا، کرایہ کے سپاہیون پر مشتمل تھین جو یا تو کسی مغلیہ صوبہ کے گورنر کی ماتحتی مین ہوتین یا کسی صاحب اختیار اور دلیر لٹیرے کی سرکردگی مین یا کسی مقامی قوت کی زیر قیادت جو مغلون کے استیلا سے قبل موجود تھی اور جسنے کبھی پوری طرح انکی سیادت کو تسلیم نہین کیا مین ہر قوت کی ایک ایک مثال دونگا مثلاً حیدرآباد کی ریاست، اسکو نظام نے قائم کیا جو شاہان مغلیہ کا ایک صوبہ دار تھا۔ ریاست میسور، اسکی بنا حیدر علی نے ڈالی جو ایک بہادر مسلمان سپاہی تھا۔ مرہٹون کی طاقت کا بانی پیشوا تھا، یہ ایک برہمنی طاقت تھی اور قدیم ہندوستان کی حالت کو پیش کرتی تھی۔ لیکن یہ سب کی سب طاقتین کرایہ کے سپاہیون پر بھروسہ کرتی تھین ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتین لوٹ وغارتگری کرتی پھرتین۔ شاید یورپ نے کبھی یہ صورت نہین دیکھی۔ البتہ کارولنگین امپائر (Caro- lingian Empire) کی شکست کے موقع پر ایسی ابتری رونما ہوگئی تھی۔

نئی طاقتون کے عروج کے لئے یہ صورت حالات البتہ خاص طور سے معاون تھی۔ دوسری صورتون مین فتح کیلئے ضروری ہے جیسا کہ مین نے کہا ہے، کہ ایک زبردست قوت اپنے ہاتھ مین ہو۔ کوئی شخص تاوقتیکہ اسکے پاس منظم حکومت اور فوج نہ ہو فتح کا منصوبہ نہین کرسکتا۔ لیکن چونکہ یہان حالات مختلف تھے لہذا اُسکے اسباب بھی مختلف ہوگئے۔ حیدر علی کے پاس سوائے اُسکے دل و دماغ اور قوت بازو کے کچھ نہ تھا مگر وہ سلطان میسور ہوگیا۔ کرایہ کے سپاہی ہر جگہ تھے اور جو شخص انکا منہ روپیون سے بھر دیتا یا اپنے رعب و طاقت سے اپنا طرفدار کرلیتا وہ انکی ملازمت مین آجاتے۔ اور جس کسی کے پاس ایسی فوج ہوتی وہ ہندوستان کے زبردست سے زبردست صاحب اختیار کا ہمسر بن جاتا کیونکہ حکومت کی شکست کے وقت صرف فوجی قوت ہی ایک قوت باقی رہ جاتی ہے۔

اب ان مختلف مقامی طاقتون مین اگر کوئی طاقت تھی جو ایسے مخصوص حالات مین سلطنت قائم کرنے مین کامیاب ہوسکتی تھی تو وہ ان سوداگرون کی تھی جنکی ساحلی شہرون مین کوٹھیان تھین، بلاشبہ وہ غیر ملکی تھے، لیکن، جیسا کہ مین نے بیان کیا ہے، غیر ملکی ہونا ہندوستان مین کوئی مضائقہ نہین تھا۔ ہندوستان کی بیشتر سلطنتین غیر ملکی تھین شاہان مغلیہ خود غیر ملکی تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس حیرت انگیز خوش نصیبی کی بڑی توصیف کیجاتی ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ اس قسم کی خوش نصیبی کی گذشتہ مثال نہین ملتی اور اسی وجہ سے اسکے امکان کے متعلق پیشین گوئی کا کسی کو خیال نہین ہوسکتا تھا۔ لیکن چونکہ اسکی توجیہ دشوار نہین ہے اور اسکے اسباب بالکل ظاہر ہین اسلئے اسکو معجزہ نہین کہہ سکتے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس واقعی کچھ سرمایہ تھا، اسکے قبضہ مین دولت تھی، سمندر تھا، اُسکے پاس دو تین قلعے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک کمپنی تھی جسکے لڑائی مین مارے جانے یا کسی بیماری سے مرنے کا مطلق اندیشہ نہین تھا۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ ایک معمولی حیثیت کا شخص اٹھتا ہے اور بڑی بھاری سلطنت کا مالک بن جاتا ہے لیکن ہمکو تعجب نہین ہوتا کیون، اسلئے کہ اکثر ایسا ہوا کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اُس سے زیادہ قابل تعجب ہے۔ کارسیکا (Corsica) کا ایک غریب نواب تھا اُسکے چھوٹے لڑکے نے صرف استبدادی قوت کی مدد سے یورپ کے نصف حصہ کو

اپنے قابو مین رکھا۔ کیا یہ واقعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان فتح کرنے سے زیادہ حیرت خیز نہین ہے؟ بونا پارٹ تے بغیر کسی رفیق اور بغیر ایک پیسہ کے سلطنت قائم کرلی۔ لیکن ۲۰ سال سے کم کی مدت مین اسکو کھو بھی دیا۔ اسی طرح حیدر علی سندھیا یا ہلکر کا عروج زیادہ تعجب خیز تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے زیادہ انکو اپنے عروج کیلئے قسمت کا مرہون منت ہونا پڑا۔ مین چاہتا ہون کہ تم اس واقعہ کو بالکل الگ ایک مخصوص حیثیت سے دیکھو۔ یہ ایک ریاست کی دوسری ریاست پر فتح نہین تھی۔ اسمین دو حکومتین کم از کم براہ راست متعلق نہین تھین اور نہ ہی اس کا رشتہ کسی غیر ملکی کے ہاتھ مین تھا۔ یہ ہندوستان کی سوسائٹی مین ایک اندرونی انقلاب تھا اور اسکو ان ناگہانی حکمت عملیون یا تغلب و تصرف سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو کسی جماعت کی اندرونی بےچینی کو ختم کردے۔ آؤ ایک لمحہ کے لئے ہم فرض کرلین کہ سوداگر جو صاحب اثر و نفوذ بن بیٹھے اجنبی نہین تھے۔ اس سے واقعہ کی نوعیت مین کوی فرق نہین آئیگا۔ فرض کرلو کہ بمبئی مین کچھ پارسی سوداگر تھے جب انھون نے اپنی تجارت کو بدامنی سے نقصان پہونچتے دیکھا تو یکجہت ہو کر کچھ قلعے بنالئے اور فوجین بھی فراہم کرلین اور بعد ازان خوش قسمتی سے انھون نے اچھے اچھے جنرل بھی مقرر کرلئے۔ اس صورت مین انکے ساتھ بھی رہی بکسر اور پلاسی کا معاملہ پیش آتا اور وہ بھی شاہان مغلیہ سے کسی صوبہ کی دیوانی حاصل کرنے مین کامیاب ہوجاتے جو انکی سلطنت کی بنیاد ہوتی اور ایک وقت مین سارے ہندوستان پر پھیل جاتی۔ لہذا اس صورت مین بھی واقعہ مادی طور سے وہی ہوتا لیکن اسوقت وہ اپنی اصلی روشنی مین دکھائی دیتا اور ہم اسکو اندرونی انقلاب سے تعبیر کرتے کیونکہ عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ ایک جماعت اپنے وجود کو معرض خطر مین دیکھکر بدامنی فرو کرنیکی کوشش کرتی ہے۔

اگر ایسا ہوا ہوتا تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ پھر اس لحاظ سے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج بہت ہی کم قابل تعجب ہونا چاہئے کیونکہ کمپنی مذکور کا قریبی تعلق یورپ سے تھا جہان سے وہ بوقت ضرورت فوجی امداد طلب کرسکتی تھی جو ظاہر تھا کہ ہندوستانی فوج سے زیادہ لائق اور قواعد دان تھی۔ ڈوپلے نے جسنے ہندوستان کی فتح کا الیاصاف اصول دریافت کیا محسوس کرلیا کہ ہندوستانی فوج یورپین فوج کے سامنے ایک لمحہ نہین ٹھہر سکتی لیکن اسنے یہ بھی اندازہ کرلیا کہ ہندوستانیون مین یورپین ڈسپلن قبول کرنے اور یورپین قابلیت کیساتھ جنگ کرنیکی پوری استعداد موجود ہے بشرطیکہ انکو تعلیم دی جائے۔ یہ تھی وہ کنجی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ مین تھی جسکی بدولت اسنے ہندوستان کی مختلف طاقتون مین نہ صرف اپنے وجود کو قائم رکھا بلکہ ان پر غلبہ بھی حاصل کیا۔ یہ غلبہ کسی ناقابل انتقال جسمانی یا اخلاقی برتری کے سبب نہین تھا، جیسا کہ ہم خیال کرتے ہین، بلکہ فوجی تنظیم و تربیت کے سبب سے تھا اور یہ باتین ہندوستانیون مین بھی پیدا کی جا سکتی تھین۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے ایک بڑی سہولت اور بھی تھی۔ یہ تو یقینی ہے کہ وہ سلطنت انگلیشیہ کی نمائندہ نہین تھی، لیکن انگلینڈ کے ساتھ اسکا تعلق اسکے حق مین بہت کار آمد تھا، بیشک روپیہ اور آدمیون کی فراہمی، جنکی بدولت ہندوستان فتح ہوا، خاص کمپنی کے ذمہ تھی۔ لیکن چونکہ شاہی فرمان کی رو سے وہ ہندوستان اور چین کی تجارت کی واحد اجارہ دار تھی اسلئے سلطنت انگلشیہ اور پارلیمنٹ کو اس کیساتھ دلچسپی کا ہونا قدرتی تھا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ انگریزی قوم نے ان معرکہ آرائیون کو انگلینڈ اور فرانس کی باہمی جنگ کی حیثیت سے دیکھا اور بڑی خوشی سے ان مین امداد بھی کی۔ یہ واقعہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے لیکن اکثر اس پر کافی غور نہین کیا جاتا ہندوستانین انگریزی فتح کی ابتدا کمپنی اور کسی دیسی طاقت کی باہمی آویزش سے نہین ہوی بلکہ فرانسیسیون کی اس خوفناک کوشش سے جو دکن پر

غلبہ حاصل کرنے کیلئے کی گئی۔ اُنھون نے حیدرآباد کی جانشینی کے معاملہ مین دخل انداز ہو کر کوشش کی کہ بمبئی اور مدراس سے انگریزونکا قدم اکھاڑ دین۔ مشرق مین ہماری پہلی بیش قدمی فرانسیسی حملہ کی مدافعت مین تھی۔ اس وقت سے ستر سال تک یعنی جب نپولین سے ہماری لڑائیان ختم ہو گئین، ہندوستان مین ہماری لڑائیان کم و بیش فرانسیسیون سے مدافعت کی شکل مین ہوتی رہین۔ اگرچہ یہ جنگین سلطنت انگلشیہ کے نام یا بوتے پر نہین ہوئین لیکن انجام کار انکی شکل ایک حد تک قومی جنگون کی ہو گئی۔ اور ان سے انگلینڈ کو نہایت گہری دلچسپی تھی۔ اسی لئے کمپنی کی فوج کو بڑی حد تک شاہی فوج سے مدد دی جاتی تھی اور ۱۷۸۵ء سے جب لارڈ کارنوالس ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر ایک لائق مدبر کی حیثیت سے سیاسی اور فوجی معاملات کی نگہداشت کے لئے بھیجا گیا تو پارلیمنٹ مین کمپنی پر حملے، لارڈ کلائیو کے خلاف تحریک ملامت، ہسٹنگز کے خلاف تعزیری کارروائی، کمپنی کے معاملات سلجھانے کیلئے پے بہ پے کوششین، جن سے ایک مرتبہ ۱۷۸۳ء مین انگلینڈ کی سیاسی دنیا مین ہلچل ہی مچ گئی تھی، اور اسی طرح کی دیگر کارروائیون نے ہماری ہندوستانی معرکہ آرائیون کو قومی جنگ کی شکل دیدی اور انھین وجوہ سے کمپنی کو بمنزلہ انگریزی قوم کے سمجھا جانے لگا۔ اس طریقہ سے کمپنی کو عملی طور پر یورپ کی ایک اول درجہ کی سلطنت کے اعتماد و شہرت سے تقویت پہونچ رہی تھی اگرچہ اس سلطنت نے کمپنی کی امداد ان لڑائیون مین قطعی نہین کی جنکی بدولت ہندوستان فتح ہوا۔

مہتم بالشان تاریخی واقعات کے لئے اکثر «حیرت انگیز» یا «عجیب» کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن جس آزادی کیساتھ انکا استعمال ہماری فتح ہندوستان کیلئے کیا جاتا ہے اُس آزادی کیساتھ کسی دوسرے واقعہ کیلئے نہین۔ ایک واقعہ حیرت انگیز یا عجیب ہو سکتا ہے لیکن یہ بالکل ضروری نہین ہے کہ اسکی توجیہہ بھی دشوار ہو ہندوستان کی فتح اس معنی مین البتہ نہایت حیرت انگیز ہے کہ اسکی نظیر گذشتہ زمانہ مین نہین ملتی، اسلئے اسکی توقع اُن لوگون کو نہین تھی جنھون نے ڈیڑھ صدی تک ہندوستان مین کمپنی کے معاملات کا انصرام کیا۔ بلاشبہ joh charnock، josia child یا Pitt گورنر مدراس کو (جو لارڈ چیتھم کا دادا تھا) کبھی خواب مین بھی خیال نہ ہوا ہوگا کہ ایکدن ہم پیشوا اور خود مغل شہنشاہ کے اختیارات کو سلب کر لینگے۔ لیکن یہ واقعہ اس معنی مین بالکل حیرت انگیز نہین ہے کہ اسکے حقیقی اسباب کا دریافت کرنا مشکل ہے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد جب ہندوستان مین کوئی صاحب اختیار مرکزی حیثیت کا باقی نہین رہ گیا تھا جسکا جی چاہتا صاحب اختیار بن جاتا، جو چاہتا اپنی حکومت قائم کر بیٹھتا، اگر اسوقت ایک تجارتی کمپنی نے جسکے پاس کرایہ کی فوج رکھنے کیلئے کافی روپیہ تھا ان سورماؤن کا مقابلہ کیا اور اُنکو مغلوب کیا تو کونسا تعجب کا مقام ہے۔ خصوصًا اس صورت مین کہ اُسکے پاس یورپین باقاعدہ فوج اور سپہ سالار تھے، اسکی پشت پر انگلینڈ کی سلطنت قوت تھی اور اُسکے مشیر انگریز مدبر تھے۔

مین نے جو کچھ بیان کیا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح عام معنی مین فتح نہین تھی۔ اسلئے کہ یہ کسی سلطنت کا فعل نہین تھا، اسکو کسی سلطنت کی فوج یا روپیہ نے نہین حاصل کیا۔ مین نے یہ بات اس لئے ظاہر کر دی ہے تاکہ اس بیان سے کہ انگلینڈ نے ہندوستان کو فتح کیا جو الجھن پیدا ہو وہ رفع ہو جائے۔ ہندوستان انگلینڈ سے ہزارون میل دور ہے، اسکی آبادی یورپ کے برابر ہے پھر بھی یہ فتح اس صورت مین ہوئی کہ انگلینڈ کوئی فوجی سلطنت نہین تھی اور نہ اس عظیم الشان فتح مین اُسنے کوئی تکلیف اور محنت برداشت کی نہ ایک پیسہ خرچ کیا۔ اس لئے اس کے معنے یہی ہون گے کہ انگلینڈ نے ہندوستان کو فتح کیا ہی نہین،

بلکہ یہ چند انگریزون کی خوش نصیبی تھی جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے وقت حسن اتفاق سے ہندوستان مین سکونت پذیر تھے اور حیدر علی یا رنجیت سنگھ کی طرح عالی اقتدار ہو گئے۔

تاہم عملی نتیجہ کے لحاظ سے یہ واقعہ ہندوستان پر انگلینڈ کی فتح ہی ثابت ہوا۔ اسلئے کہ اب جب یہ تمام عمل مکمل ہو چکا ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی غائب ہو چکی ہے ہم دیکھتے ہین کہ ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند ہین اور ایک سکریٹری جو انگریزی کابینہ کا ممبر ہے اور انگریزی پارلیمنٹ مین بیٹھتا ہے ہندوستان کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہے انگلینڈ نے بحیثیت ایک سلطنت کے ہندوستان کو حاصل نہین کیا پھر بھی اب یہ اُسکے سر پڑ گیا ہے۔ یہ ایک مثال تھی اُس عام اصول توسیع کی جو اہل یورپ کے ان تمام بیرونی مقبوضات مین کارفرما ہے جو کولمبس کے زمانہ سے برابر حاصل ہوتے رہے ہین اہل یورپ کتنے ہی دور دراز ممالک مین گھومتے، اُنکی کامیابی کتنی ہی حیرت انگیز اور عجیب ہوتی لیکن وہ کبھی یورپین شہریت کو ترک نہین کر سکتے تھے۔ کارٹیز (Cortez) اور پزارو (Pizarro) نے امریکہ کی ایک ایک ریاست کو اپنے قدمون سے روند ڈالا، جہان گئے بغیر سعی و محنت کے عالی اقتدار بن گئے، اگرچہ میکسکو مین وہ مونٹیزوما (Montezuma) کی حکومت کو ذرہ برابر خاطر مین نہین لاے۔ لیکن چارلس پنجم کی سیادت سے سرتابی کرنا تو کجا اسکا خیال تک کرنیکی جرأت نہ کر سکے۔ حالانکہ چارلس پنجم بحیرۂ اٹلانٹک کے اُس پار تھا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو فتوحات وہ اپنی ذاتی شجاعت سے بلا امداد غیرے حاصل کرتے اسپین قدرتی طور پر انھین ضبط کر لیتا یہی حال انگریزون کا ہندوستان مین ہوا۔ ۱۷۶۵ء کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی سلطنت مغلیہ مین ایک نام نہاد علی عہدہ پر فائز تھی۔ لیکن انگریزی پارلیمنٹ دعویدار تھی کہ جو مقبوضات کمپنی حاصل کریگی وہ پارلیمنٹ کے ماتحت ہونگے۔ پارلیمنٹ کی بحثون مین مغل بادشاہون کا نام شاید ہی آتا تھا اور غالباً یہ سوال کبھی زیر بحث نہین آیا کہ آیا وہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے صوبون کا انتظام ایک غیر ملکی حکومت کے ہاتھ مین دینا پسند کرینگے۔ کمپنی بہ یک ساعت دو سلطنتون کا جز و تھی، ایک طرف تو شاہ انگلستان کے فرمان کی رو سے وہ کمپنی تھی اور دوسری طرف مغل بادشاہ کی ماتحت ایک دیوان۔ لیکن جس طرح کارٹیز نے مونٹ زوما کو نیست و نابود کر دیا اُسی طرح کمپنی مذکور نے مغل شہنشاہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، اور پھر چپ چاپ اپنے غیر محدود مقبوضات کو انگلینڈ کے سپرد کر دیا انجام کار جنگ پلاسی کے ایک صدی بعد کمپنی شکست ہو گئی اور خود بھی ہندوستان سے سلطنت انگلشیہ کے حق مین دست بردار ہو گئی۔

(باقی)

عبد القیوم رسا

شہاب کی سرگزشت

جناب نیاز فتحپوری کا وہ معرکۃ الآرا افسانہ جو سیرۃ نگاری، نفسیاتی تحلیل، بلندی خیال، زورِ تحریر، ندرت بیان، نزاکت تخیل اور قوتِ انشا کے لحاظ سے ادب اردو مین ایک بالکل نئی اور نادر چیز ہے! اول بار اسکا مطالعہ انسان کو کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے، دوسری بار اسکا مطالعہ حقیقت سے قریب کر دیتا ہے اور تیسری مرتبہ کے مطالعہ کے بعد انسان اسکے لذات مین بالکل غرق ہو جاتا ہے اگر پسند نہ ہو تو مطالعہ کے بعد واپس کر دیجئے اور اپنی قیمت لیجئے معہ محصول ڈاک (۲؎) مین ملیگا۔

"منیجر نگار" لکھنؤ

انارکسٹ

"اور یہ" ماہر جراثیم نے شیشہ کے ملے ہوئے ٹکڑوں کو خردبین کے نیچے رکھتے ہوئے کہا "یہ مشہور و معروف مرض، ہیضہ کے زہریلے جراثیم ہیں، آپ سمجھے — کالرا کے جراثیم!!"

اجنبی خردبین میں بغور دیکھنے لگا، وہ یقیناً اس وضع کی باتوں کا عادی نہیں معلوم ہوتا تھا اسلئے کہ اُسنے بالکل گنواروں کی طرح دوسری آنکھ کو اپنے ہاتھ سے ڈھک لیا اور کہنے لگا — "کچھ یونہی سا دکھائی دے رہا ہے"

"اس پیچ کو گھماؤ" ماہر جراثیم نے کہا "غالباً خردبین تمہارے لئے صحیح فوکس پر نہیں ہے، نگاہ میں بھی اختلاف ہوتا ہے، بس ہاں ...... ایک خفیف سی گردش، ادھر یا اُدھر — اب تو صاف نظر آتا ہے؟"

"ہاں بیشک، اب صاف ہے" اجنبی نے کہا "کچھ زیادہ چیزیں نہیں ہیں، پانچ سات چھوٹے چھوٹے گلابی اور نیلے دھاگے کے سے ٹکڑے، پناہ بخدا! اور یہی حقیر ٹکڑے، یہی بے وجود ذرات مجتمع ہو کر ایک مکمل شہر کو برباد کرتے ہیں — کسقدر حیرت انگیز بات ہے!!"

وہ کھڑا ہو گیا اور شیشہ کے ٹکڑے کو خردبین کے نیچے سے نکالکر اپنے ہاتھ کو کھڑکی کی روشنی میں بڑھا دیا۔

"کچھ نظر نہیں آتا" اُسنے شیشہ کو بغور دیکھتے ہوئے ذرا تامل سے کہا "کیا یہ زندہ ہیں اور اب بھی خطرناک ہیں؟"

"جی نہیں، انھیں تجربہ کیلئے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے ہم اسی طرح دُنیا کے تمام جراثیم کو ہلاک کر سکتے!"

"میرے خیال میں تو شاید آپ اپنے گھر میں ایسی چیزیں زندہ اور اصلی حالت میں بھی رکھنے کے عادی ہونگے اور مطلق خوف نہ کرتے ہونگے" اجنبی نے ذرا مسکراتے ہوئے کہا۔

"بلکہ یوں کہئے کہ ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں، مثلاً یہاں" وہ ایک الماری کی طرف بڑھا اور سربمہر نلکیوں کی ایک قطار میں سے ایک نلکی اُٹھا کر کہنے لگا؛

"یہ زندہ چیز موجود ہے، مرض کالرا کے اصلی زندہ اور متحرک جراثیم! — یعنی سربند خطرناک مرض ہیضہ! کیا سمجھے؟"

"جی! ہیضہ!!" اجنبی نے جسم میں ایک کپکپی محسوس کرتے ہوئے نلکی کو دیکھ کر کہا "خدا کی پناہ، پروفیسر صاحب آپ نہایت خطرناک ہیں!!"

ماہر جراثیم نے نووارد کے چہرہ کے تغیرات کو غور سے مطالعہ کیا، یہ شخص اُسکے ایک نہایت ہی گہرے دوست کا تعارفی رقعہ لیکر تجربہ گاہ دیکھنے کی غرض سے آیا تھا۔ اُسکی پھٹی پھٹی آنکھیں، سیاہ اور بے ترتیب بال، گھبرائی ہوئی صورت، پریشان انداز، خود ساختہ حیرت، بناوٹی خوف — وہ تمام باتیں تھیں جنکو ماہر جراثیم شبہ کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اُسکے دوست نے اجنبی کو سائنس کا محض مبتدی طالبعلم ظاہر کیا تھا۔

جس خوفناک موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی اُسکے لحاظ سے ہر اجنبی غیر معمولی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر اجنبی کی

حیرت سے ایک قسم کا اطمینان ظاہر ہو رہا تھا اور یہی بات مشتبہ تھی۔

یکایک ماہر جراثیم نے نلکی کو اپنی نگاہوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا "بیشک انسانی تباہی اور بربادی اس نلکی مین بند ہے۔ اس چھوٹی سی نلکی کو صرف شہر کے مرکزی آبیار مین توڑ دیجئے اور ان حقیر، غیر محسوس، زندہ جراثیم سے جو آلہ خوردبین کی پوری قوت سے محض ذرات نظر آتے ہین، اور جنھین نہ شامہ محسوس کرتا ہے نہ ذائقہ اتنا کہدیجئے ——— "جاؤ، بڑھو، پھیلو، اور ہر پانی پر اپنی حکومت قائم کرلو" ——— آپ دیکھینگے کہ موت، پُراسرار، نامعلوم موت!! نامحسوس، بلائے بے درمان موت!! خونخوار کرب افزا موت!! تمام شہر پر مسلط ہو جائیگی، اور ہر ممکن ناممکن گوشہ تک اسکی رسائی ہو جائیگی۔ کہین وہ خاوند کو بیوی سے اور بچہ کو مان سے جُدا کردیگی، کہین مدبر کو اُسکے فرض سے اور مزدور کو اُسکے مصائب سے چھڑا دیگی۔ وہ پانی کے نلون سے گذریگی، سڑکون پر چھاپے ماریگی، گھرون مین بے تکان گھُس جائیگی اور ہر اُس شخص کی زندگی اُسکا ٹیکس ادا کریگی جو اُبلا ہوا پانی پینے کا عادی نہین ہے۔ وہ کنوؤن مین پہونچ جائیگی، ترکاریون مین سرایت کر جائیگی، اور برف مین منجمد ہو جائیگی

وہ مویشیون کے حوضون مین، پارک کے چشمون مین، جابجا صرف جانداروں کے حلق تک پہونچنے کا انتظار کرتی ہوگی۔ یا زمین مین جذب ہو کر صدہا ایسے چشمون اور کنوؤن مین نمودار ہو جائیگی، جہان اسکی موجودگی کا کسی طرح قیاس بھی نہین کیا جا سکتا ——— غرض صرف ایک مرتبہ اُسے شہر کے آبیار تک پہونچا دیجئے، پھر قبل اسکے کہ دوبارہ اُسے گرفتار کیا جا سکے وہ اس دُنیا کے سب سے بڑے شہر کو آبادی سے بے نیاز کر دیگی"

وہ یکایک رُک گیا اور جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی کہنے لگا "لیکن یہان یہ بالکل مقید ہے، قطعاً بے بس، عضو معطل، آپ سمجھے ——— ہم بالکل محفوظ ہین" اجنبی نے سر کی جنبش سے اقرار کیا، اُسکی آنکھون مین ایک قسم کی چمک پیدا ہوئی۔ لیکن صرف کھانس کر رہ گیا۔

"یہ انارکسٹ، بدمعاش ——— بالکل بیوقوف ہین، قطعاً اندھے ہین جو اس قسم کی چیزین موجود ہونیکے باوجود بم استعمال کرتے ہین میرے خیال مین تو ...."

زنجیر چھوٹنے کی ایک ہلکی سی جھنکار، اور دروازہ کھُلنے کی ایک خفیف سی آواز کمرے کے مشرقی گوشہ مین پیدا ہوئی، ماہر جراثیم نے پلٹ کر دیکھا

"صرف ایک منٹ کیلئے ہو جاؤ!!" اسکی نوعمر بیوی نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

جب وہ دوبارہ اپنی تجربہ گاہ مین داخل ہوا تو اجنبی اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔

"معاف کیجئے گا، مجھے مطلق خیال نہ رہا اور مینے آپکا ایک گھنٹہ ضائع کر دیا۔ چار بجنے مین صرف بارہ منٹ باقی ہین۔ مجھے ساڑھے تین بجے روانہ ہو جانا چاہئے تھا، لیکن آپکے دلچسپ لیکچر مین محو ہو گیا، اب اجازت دیجئے، وقت مین بالکل گنجائش نہین ہے، مجھے چار بجے ایک دوست سے ملنا ضروری ہے"

اجنبی شکریہ ادا کرتا ہوا کمرے سے گذر گیا، ماہر جراثیم دروازہ تک اُسے پہونچا کر خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے مین واپس آگیا، وہ اپنے ذہن مین نووارد کی ظاہری شکل و شباہت پر تبصرہ کر رہا تھا۔

"عجیب آدمی تھا"، اُسنے زیر لب کہا "یقیناً خطرناک! وہ زہریلے جراثیم کا بیان کتنی دلچسپی سے سُن رہا تھا اور شیشی کو کیسی للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا" کسی بےچین خیال کے ماتحت وہ یکایک اُٹھا۔ دودکش کے پاس بنچ پر جھک کر کچھ دیکھا، تیزی سے جھپٹ کر اپنی میز پر کچھ ڈھونڈا، جیبوں مین ہاتھ ڈال کچھ ٹٹولا اور بھاگ کر دروازہ پر آگیا۔

"غالباً مینے اُسے بڑے کمرے کی میز پر رکھ دیا ہے" اُسنے ذرا اونچی آواز سے کہا "منی!"—— "جی!" کہین دور سے ایک زنانی آواز آئی۔

"مین ابھی جب تم سے بات کرنے آیا تھا، تمنے میرے ہاتھ مین کوئی چیز تو نہین دیکھی سچ بتادو پیاری منی! جلدی بتادو!"

"کچھ نہین، پیارے جان! خیریت تو ہے؟"

"تباہی! بربادی!" ماہر جراثیم نے کہا اور بدحواسی کے ساتھ دروازہ کی طرف دوڑا، ایک لمحہ بعد وہ شارع عام پر تھا منی نے دروازہ کھُلنے کی آواز سُنی اور کسی نامعلوم خطرے کے خیال سے بھاگ کر کھڑکی مین سے جھانکنے لگی سڑک پر ایک نحیف الجثہ، بدوضع سا آدمی ایک کرایہ کی گاڑی مین سوار ہو رہا تھا اُسکا خاوند ننگے سر، سلیپر پہنے ہوئے مجمع کو چیرتا ہوا بدحواسی سے گاڑی کی طرف دوڑ رہا تھا۔ ایک سلیپر اُسکے پیر سے نکل کر سڑک پر رہ گئی تھی مگر اُسے مطلق پرواہ نہ تھی۔

"خداوندا! یہ دیوانہ تو نہین ہوگیا ہے، سائنس نے اُسکا دماغ تو خراب نہین کردیا ہے" منی دل ہی دلمین کہہ رہی تھی۔

وہ کھڑکی کھول کر اُسے پکارنے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ اجنبی نے اپنے چارون طرف نگاہ ڈالی، اور بالکل اُسی قسم کی دماغی خرابی کا اثر اُسکی صورت سے ظاہر ہونے لگا جسمین اُسکا خاوند مبتلا معلوم ہوتا تھا۔ اُسنے ایک لایعنی سا اشارہ ماہر جراثیم کی طرف کیا اور گاڑی والے کے کان مین کچھ کہا گاڑی کا دروازہ بند ہوا چابک مارنے کی مسلسل آواز سُنائی دی، گھوڑے کی ٹاپ سڑک پر گونجی اور ایک لمحہ بھر مین گاڑی آگے آگے اور ماہر جراثیم دیوانون کی طرح ننگے سر ننگے پاؤن پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے سڑک پر دکھائی دیئے اور موڑ پر پہونچکر دونون نگاہ سے غائب ہوگئے——

منی تقریباً ایک منٹ تک کھڑکی سے جھانکتی رہی اور پھر کمرے مین واپس آگئی وہ بیحد متحیر تھی۔

"جان حد سے زیادہ مذاق پسند ہے!" اُسنے دل ہی دلمین سوچا "مگر اس زمانہ مین، دن دھاڑے ایک شریف آدمی کا ننگے سر ننگے پاؤن لندن کی شارع عام پر دوڑ لگانا! کتنی شرمناک حرکت ہے!؟"

ایک روشن خیال اُسکے دماغ سے گذرا، اُسنے تیزی سے اپنی ٹوپی اوڑھی، خاوند کے جوتے لئے، ہال مین آئی اور کھونٹیون پر سے اُسکا ہیٹ اور کوٹ اُتارا۔ دروازہ پر پہونچی اور ایک گاڑی کو جو خالی سڑک پر سے گذر رہی تھی کرایہ کر لیا۔

"سیدھے سامنے والے راستہ پر چلو وہان سے ہیولاک کریسنٹ پر موڑ لو اور راستہ مین ایسے شخص پر نگاہ رکھو جو ہاف کوٹ پہنے ہوئے ننگے سر ننگے پیر بھاگ رہا ہو!"

"ہاف کوٹ پہنے ہوئے ننگے سر ننگے پیر؟ - بہتر ہے، معزز خاتون! ابھی لو"، یہ کہکر کوچبان نے گھوڑے کو چابک لگایا اور کچھ اس اطمینان سے گاڑی بڑھائی گویا تمام زندگی اسی پتہ پر گاڑی ہانکنے مین بسر ہوئی ہے۔ چند منٹ بعد تانگہ والون اور آوارہ لوگون کے ایک مجمع نے جو ہیورسٹاک کے

اڈے پر جمع رہتے ہین بڑے تعجب سے ایک گاڑی کو گذرتے دیکھا جسکی طوفانی رفتار میونسپلٹی کے قانون سے بے نیاز معلوم ہوتی تھی

جب تک گاڑی گذری سب خاموش رہے، اُسکے بعد ایک بیفکرے نے کہا "ابے یار دیکھا تمنے ہٹو کو! کس شان سے ہانک رہا تھا"

"تڑا تڑ چابک مار رہا ہے مرا یار، . . . . وہ مُڑ گیا!" دوسرے نے کہا اور "وہ ایک اور پاگل آرہا ہے! ——— یہ اُس سے بھی تیز ہے" تیسرے نے کہا "ارے ——— ابے یہ تو چچا جان رج ہیں، تو نے ٹھیک کہا یار، یہ ضرور کسی کو پاگل خانہ لئے جا رہا ہے!" چوتھے نے کہا۔

"میرے خیال مین تو یہ ہٹو کا پیچھا کر رہا ہے" پہلے نے کہا

یہ خیال آتے ہی اڈے کے تمام تانگے والے بے ترتیبی سے چلانے لگے۔

"سرپٹ چھوڑدے ہٹو"——— "بھاگ چچا، بھاگ!!" "گردن پہ مار گردن پہ!!" ——— "آخ اسی دوڑ پہ فیصلہ ہے!" ——— "دیکھو رہ گیا ہے تھوڑی سی دور!!"

"یہ لو، اور آمد!!" ایک نے پیچھے مُڑ کر کہا

"سمجھ مین نہین آتا یار، آج کیا ہیمپسٹیڈ مین سارے گاڑی والے پاگل ہوگئے ہین یا انکی کوئی شرط ہوئی ہے؟" دوسرا بولا

"ابکی دفعہ سبزے والے کی باری ہے" تیسرا بولا

"اسمین تو کوئی عورت ہے! ——— ہان ہم سمجھ گئے اگلا آدمی بہت خوش قسمت ہے اور اسکے ہاتھ مین یہ کیا ہے یار؟"

پانچوان بولا

بھگوڑے عاشق کی ٹوپی!" پہلے نے جواب دیا

"کتنی شوخ تیزی ہے!! ——— چچا جان رج سی تو ٹھیک ایک اور تین کی نسبت ہے۔ ہا۔ ہا۔ ہا ——— ہا ہا ہا!!"

منّی جسوقت اس مجمع کے پاس سے گذری تو متفقہ طور پر اُسکے گھوڑے کو سراہا گیا اور عام طور پر تالیان بجائی گئین۔ اُسے بہت ناگوار گذرا لیکن اپنے فرض سے مجبور تھی۔ وہ ایک طوفانی رفتار سے ہیور اسٹاک ہل، سی۔ ٹی، ہائی اسٹریٹ وغیرہ سے گذر گئی۔ اُس کی آنکھین بوڑھے جارج کی پشت پر لگی ہوئی تھین جو اُسکے خاوند کو اپنی صبا رفتار گاڑی مین اُڑائے لئے جا رہا تھا

سب سے اگلی گاڑی مین جو شخص بیٹھا تھا وہی سب سے زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ اُسکے دونون ہاتھون کی مٹھیان بند تھین جنمین سے ایک کے اندر جراثیم کی تباہ کُن نلکی تھی۔ اُسکے چہرہ پر خوف اور پریشانی کی علامتین نمودار تھین بالخصوص وہ اسوجہ سے زیادہ پریشان تھا کہ اپنا کام کرنے سے پہلے کہین گرفتار نہ ہوجائے۔ اسی پریشانی کے ساتھ اُسے خوف بھی تھا اور وہ صرف اپنے سنگین، وحشیانہ اور ہولناک جرم کے خیال سے۔

"کوئی انارکسٹ مجھ سے قبل اس عجیب و غریب طریقہ کار کو معلوم نہین کر سکا کسی کے سر ایسی شاندار فتح کا سہرا نہین بندھ سکا" وہ اپنے ذہن مین سوچ رہا تھا راوکل، ویلائنیٹ اور تمام مشہور و معروف ہستیان جو انارکی مین شہرۂ آفاق ہو چکی ہین اُسکی نگاہون مین حقیر معلوم ہوتی تھین، صرف شہر کے مرکزی آبیار کو معلوم کرنا اور اُسمین شیشہ کی نلکی کو توڑنا شرط تھا، پھر کیا تھا، پھر تو وہ تمام انارکیون کا متفقہ بادشاہ تھا۔

اُسنے جس ذہانت کے ساتھ سازش کو مرتب کیا تھا وہ یقیناً قابلِ داد تھی۔

تعارف کیلئے جعلی خط بنانا، تجربہ گاہ مین داخل ہونا، ماہر جراثیم کو دھوکہ مین ڈالنا، اور معہ نلکی کے تجربہ گاہ سے نکل آنا:-

,,اب دُنیا یقیناً میرا نام سنیگی،، اُسنے ایک کامیابی کی سانس لیتے ہوئے کہا ,,یہ تمام لوگ جو مجھسے نفرت کرتے رہے ہین، مجھے پس پشت ڈالتے رہے ہین، دوسرون کو ترجیح دیتے رہے ہین، میری محبت کو بار سمجھتے رہے ہین، بالآخر میری اہمیت کا اندازہ کرینگے، موت! موت!! صرف موت!!! ——— اُنھون نے ہمیشہ مجھے فضول اور بیکار آدمی سمجھا ہے، تمام دُنیا مجھے پس پشت ڈالنے کے لئے ساز باز کر رہی تھی۔ اب مین بتادونگا کہ ایک شخص کو تنہا چھوڑ دینا، اُسکی قدر نہ کرنا کیا مصیبت لاسکتا ہے!،،

,,یہ کونسی سڑک ہے؟ ——— سینٹ اینڈریو...... بیشک! دوڑ کا کیا نتیجہ رہا؟،، اُسنے کھڑکی سے سر نکالکر پشت کی طرف دیکھا، ماہر جراثیم مشکل سے پچاس گز پیچھے تھا۔ ,,یہ بُرا ہوا، افسوس! اب مین پکڑا جاؤنگا اور ساری اُمیدون پر پانی پھر جائیگا اُسنے اپنی جیب ٹٹولی اور نصف گنی کا ایک سکہ نکالکر ڈرائیور کی مٹھی مین دیدیا۔،، اور انعام ملیگا۔ بھگائے چلو اور صرف پچھلی گاڑی کے گھوڑے کو تھکادو!!،، اُسنے چلاّ کر کہا

,,بہت اچھا حضور!،، ڈرائیور نے گنی کو جیب مین ڈالتے ہوئے دو تین چابک لگائے

کھڑکی کا کھُلا ہوا کواڑ کسی چیز سے ٹکرایا، گاڑی ڈگمگائی اور انارکسٹ نے تختہ پکڑنے کے لئے بیساختہ وہ ہاتھ بڑھا دیا جس مین جراثیم کی نلکی تھی۔

نلکی ٹوٹ گئی، شیشی کا آدھا حصہ گاڑی کے تختون پر اُسکے پیر کے برابر آگیا۔ انارکسٹ کے مُنہ سے بیساختہ آہ نکلی اور اپنی جگہ پر ساکت رہ گیا، اب وہ ایک ایسی مایوسانہ نگاہ سے جسمین بے بسی جھلک رہی ہو سیال مادہ کے اُن دو تین قطرون کو جو گاڑی کے تختہ پر بکھر گئے تھے دیکھ رہا تھا۔

,,خیر!،، کچھ دیر بعد اُسنے کانپتے ہوئے کہا ,,پہلا شکار مین ہی سہی، کچھ پرواہ نہین، بہرحال شہید ہونا بھی ایک عزت ہے، تاہم.... ...... یہ نہایت ہی بے موقعہ موت رہی، خدا معلوم یہ چیز اسی قدر مہلک ہے یا نہین جسقدر بتلایا جاتا ہے،،

اُسے ایک فوری خیال آیا اور اپنے پیرون کے درمیان کوئی چیز ٹٹولنے لگا، ایک چھوٹا سا قطرہ اب بھی ٹوٹی ہوئی نلکی مین باقی تھا وہ اُسے بلاتامل پی گیا ,,اب جسقدر میری موت یقینی ہے اُس قدر جراثیم کا پھیلنا بھی لازمی ہے،، اُسنے دل ہی دل مین کہا اور ماہر جراثیم کا خیال آیا جس سے بچنا از حد ضرورت معلوم ہوتا تھا چنانچہ ونگٹن اسٹریٹ مین اُسنے ڈرائیور سے گاڑی رُکوالی اور اُتر پڑا

زمین پر اُسکا پیر پڑتے ہوئے ڈگمگا رہا تھا اور سر چکرایا جاتا تھا۔ اُسنے گاڑی والے کو رخصت کر دیا اور سینہ پر دونون ہاتھ رکھ کر ماہر جراثیم کے انتظار مین سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ اُسکے چہرے سے جلال اور آنکھون سے شاہانہ رُعب ٹپک رہا تھا۔ فوری موت کے خیال نے اُسے ہر نوع شاندار بنا دیا تھا۔

,,زندہ باد۔ مزاج!!،،

،، دوست تمھاری آمد بعد از وقت ہے مین اُسے پی گیا ——— ہیضہ پھیل چکا ہے!،، ماہر جراثیم نے اپنا چشمہ درست کرکے تعجب سے اُسے دیکھا —— ،، پی گئے!

اچھا کیا۔ تم انارکسٹ تھے، مجھے اب معلوم ہوا،، ...... ،، وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر کہتے کہتے رک گیا اور تبسم اُسکے ہونٹون کے نقطہ اتصال پر کھیلنے لگا اُسنے اپنی گاڑی کا دروازہ اُترنے کے لئے کھولنا چاہا مگر انارکسٹ نے ڈراما کے مخصوص انداز مین اشارے سے ،، الوداع،، کہا اور پشت پھیر کر آہستہ آہستہ واٹرلو برج کی طرف چل دیا۔ مرض پھیلانے کیلئے وہ اپنا جسم سڑک سے گذرنیوالے ہر آدمی سے قصداً مس کرتا ہوا جارہا تھا ماہر جراثیم اُسکے خیال مین اس قدر منہمک تھا کہ منی کے یکایک سامنے آجانے پر اُسنے مطلق اظہار تعجب نہ کیا وہ پیار کے لہجہ مین اُس سے کہنے لگا

،، پیاری منی تمنے بہت اچھا کیا کہ میرے جوتے اور ٹوپی لیتی آئین،، اور بدستور انارکسٹ کو دور سڑک پر جاتے ہوئے دیکھتا رہا

،، تم بیٹھ جاؤ!،، اُسنے اُسی طرح سڑک کی طرف تکتے ہوئے کہا۔ منی کو اب یقین ہوتا جارہا تھا کہ اُسکا خاوند حواس خمسہ کھوچکا ہے چنانچہ اُسنے گاڑی مین بیٹھ کر مایوسی کے لہجہ مین ڈرائیور کو گاڑی ہانکنے کا حکم دیا۔

،، میرے جوتے؟ پیاری منی!،، پروفیسر نے اپنی بیوی سے دریافت کیا گاڑی مُڑ گئی اور دُور سڑک پر سیاہ چیز جو رفتہ رفتہ آدمیون کے ہجوم مین غائب ہوتی جارہی تھی گھوڑے کی آڑ مین آگئی ——— پروفیسر بے ساختہ قہقہے لگانے لگا۔

،، یہ ایک ہی ہوئی ——— حالانکہ ...... !،،

،، منی تمھین معلوم ہے کیا ہوا؟ سُنو! یہ آدمی آج تیسرے پہر مجھ سے ملنے کیلئے آیا، جانتی ہو کون ہے؟ انارکسٹ! ......

چیخنے چلانے کا کام نہین، خاموشی سے سُنے جاؤ! ورنہ اسطرح مین باقی ماندہ قصہ نہین کہہ سکتا ...... سمجھ گئین۔ مین اُسے متحیر کرنا چاہتا تھا، یا یون کہو کہ بیوقوف بنانا چاہتا تھا، مگر مجھے مطلق علم نہ تھا کہ یہ انارکسٹ ہے۔ بالکل اطمینان سے مینے جراثیم کی وہ نلکی اُسے دکھائی جس کے بارے مین مینے تمسے تذکرہ کیا تھا کہ بندرون کے جسم پر نیلے دھبے ڈال دیتی ہے اور وہ آپس مین خوب لڑتے ہین مگر مینے اُسے بالکل بیوقوف بناتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ اس مین ایشیائی ہیضہ کے زندہ جراثیم بند ہین نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُسے لیکر لندن کے تمام پانی مین زہر ملانے کی غرض سے بھاگ گیا مینے اُسکا پیچھا اس لئے کیا کہ اس مین دو تین اجزا نہایت کمیاب ہین اور تیل کے ساتھ ملکر انتہائی زہریلے جراثیم بنادیتے ہین۔ بہرحال وہ اُس مادہ کو پانی مین ملا کر بھی کم از کم اس مہذب شہر کی تمام زندہ چیزون کو نیلا ضرور بنادیتا۔ مگر اچھا ہوا کہ وہ خود ہی اُسے پی گیا معلوم نہین اب کیا ہوگا۔ لیکن تمھین یاد ہے اس سے وہ کتیا نیلی ہوگئی تھی، اُسکے بچون پر نیلے داغ پڑ گئے تھے اور چڑیا کے گہرے آسمانی پر نکل آئے تھے۔ یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ مشکل یہ ہے کہ اب مجھے دوبارہ اسے تیار کرنے کی زحمت اُٹھانی پڑیگی۔

اور ہان، تم یہ گرم کوٹ کیون لائی ہو؟ کیا مین اسے پہنون؟ —— کیون؟ اسلئے کہ راستہ مین مسز جیبر مل جائین ——— پیاری منی! مسز جیبر ایسی نہین ہین لیکن پھر بھی کیا مجھے مسز جیبر کے ڈر سے کوٹ پہننا ——— اچھا لو ......

(ایچ - جی - ولیس)

طالب باغپتی

تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر

(بہ سلسلۂ سابق)

ڈاکٹر ابرکرامبی اور اسکے نظریات خواب

عالم رویا مین دماغی کیفیت کو دو مفصلۂ ذیل حصون مین تقسیم کرسکتے ہین،

(۱) وہ خیالات جو دماغ مین ظاہر ہوتے ہین، اپنے وجود حقیقی ہونے کا یقین دلاتے ہین، اور عالم بیداری کی طرح جب ہملوگ اپنے خیال کو اشیائے موجود فی الخارج سے مقابلہ کرتے ہین تو یہ یقین صحیح نہین ہوتا،

اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم رویا مین جو صورتین ظاہر ہوتی ہین وہ حقیقی معلوم ہوتی ہین، مثلاً خواب مین ہملوگ کوہ و دشت، چٹیل میدان، سر بفلک عمارات، اور بڑے بڑے سمندر دیکھتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے، انکا وجود حقیقی ہے خیالی نہین، جسطرح بیداری مین کوئی منظر وجود حقیقی کا احساس پیدا کرتا ہے، خواب مین بھی یہی ایقانی کیفیت ہوتی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ عالم بیداری مین ہملوگ جب اپنے خیال کو ان مناظر سے مقابل کرتے ہین، تو انہین موجود فی الخارج پاتے ہین اور عالم رویا مین جو مناظر ہمارے پیش نظر ہوتے ہین انہین صرف ذہن ہی سے تعلق رہتا ہے، خارج عن الذہن ان کا وجود نہین پایا جاتا

(۲) خیالات اور تصورات ایک ایسے قانون ائتلاف کے ماتحت دماغ مین مربوط ہو جاتے ہین، جس پر انسانی تصرف نہین ہوتا ہملوگ خیالات اور تصورات کے سلسلہ مین تغیر نہین کرسکتے، اور نہ انہین اپنے ارادہ سے وقفہ دیسکتے ہین،

قانون ائتلاف (ASSOCIATION) فلسفہ کی ایک اصطلاح ہے، ڈاکٹر صاحب کے قانون کی تفصیل یہ ہے کہ خیالات اور تصورات مستلزم ہوتے ہین یعنی جب ایک خیال پیدا ہوتا ہے، تو اسی قسم کا دوسرا خیال پیدا ہو جاتا ہے، اکثر حفاظ کو دیکھا ہوگا جہان پڑھتے پڑھتے رک گئے پھر وہان سے نہین بڑھتے اور جہان بتا دیا گیا (خواہ وہ ایک ہی لفظ ہو) پھر سلسلہ شروع ہو گیا، یہ اسی قانون کا نتیجہ ہے، ڈاکٹر موصوف کہتے ہین کہ جس طرح کسی خیال کے عناصر پر انکے باہم مربوط ہوتے وقت عالم بیداری مین ہمارا تصرف رہتا ہے، ویسا عالم رویا مین نہین، مثال کے طور پر جذبہ شہوت کو لیجئے، خیالات شہوانیہ کے اندر جب مرابطہ پیدا ہونے لگے، تو عالم بیداری مین ہملوگ مذہب اور ہیئت اجتماعی کے خوف سے ان عناصر خیال کو باہم مربوط ہی نہ ہونے دینگے، اور بالفرض یہ خیال ہوا بھی تو اسے عملی جامہ نہین پہنا سکتے اسکے برخلاف

ڈاکٹر ابرکرامبی انگلستان کا ایک مشہور عالم گذرا ہے اسنے ایک کتاب لکھی جو ایک ہی جلد مین دو حصون کے اندر پائی جاتی ہے، اسکا نام "قوائے ...یہ و احساسات اخلاقیہ" ہے پہلے حصہ مین ایک سکشن کے اندر اسنے خواب کے متعلق مبسوط مباحث کئے ہین، سنہ ۱۹۲۵ع مین خاکسار نے اسکا ترجمہ کیا تھا لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب مین تعلیم سے فارغ ہی ہوا تھا اور نظر ثانی نہ کرسکتا تھا، اب مین نے پھر اس کو دیکھا اور ضروری حذف و اضافہ کے بعد اس بحث کے سلسلہ مین پیش کر رہا ہون ۱۲

عالم رویا مین ان عناصر کے باہم مربوط، اور منتظم ہوکر علمی صورت اختیار کر لینے پر ہمارا دست تصرف نہین ہوتا بڑے بڑے زہاد و صوفیا، علما اور صلحا خواب کے اندر ایسے مناظر سے مقابل ہوتے ہین، جنکے متعلق عالم بیداری مین انہین وہم و گمان بھی نہین ہوتا، عالم بیداری مین ہرگز ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہوتا، جو عالم رویا مین ان سے ہوجاتا ہے اسکی توجیہہ ڈاکٹر صاحب کے اس قانون سے ہوتی ہے

ڈاکٹر موصوف نے تکوین خواب کی چار علتین قرار دی ہین اور ہر ایک کے ضمن مین انہون نے تاریخی اور ذاتی تجربات درج کئے ہین، یہان پر تفصیلات کی تو گنجایش نہین لہذا، ڈاکٹر صاحب کے صرف چار دن عنوان بیان کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے، موقعہ ہوا تو خواب کے متعلق عضویات اور نفسیات کی حیثیت سے بحث کیجاویگی اور ڈاکٹر ابر کرامبی کی تمام تفصیلات پیش کیجاوینگی۔

(۱) جدید حادثات، اور جدید دماغی جذبات سے جو باہم مخلوط ہوکر ایک مسلسل سلسلہ مین مربوط ہوجاتے ہین یا قدیم و جدید واقعات کی مخالطت سے کسی احساس کے ذریعہ سے جو انمین سے ہر ایک کیساتھ کم و بیش متحد رہتا ہے گو دوسری حیثیت سے ان جدید حادثات و دماغی جذبات یا جدید و قدیم واقعات کی کڑی باہم ملی نہو، اور انمین انتشار و تشتت ہو، ایک خواب کی تکوین ہوتی ہے

(۲) تصورات کے وہ سلسلے جنھین تاثرات جسمی کے باعث قانون ائتلاف وجود مین لاتا ہے۔

(۳) انسان بعض ایسے خواب دیکھتا ہے جنھین ان معاملات یا اشیا کے متعلق جو دماغ سے غائب یا فراموش ہوگئے ہین قدیم ائتلافات کی معاودت ہوتی ہے

ڈاکٹر صاحب اس کلیہ کے متعلق لکھتے ہین، کہ ایسے خواب کی علت دریافت کرنا ناممکن ہے، اور انمین بعض ایسے ہین، جنھین ان کلیات مین سے جن سے فی الحال ہم لوگ واقف ہین کسی کلیہ کے ماتحت نہین رکھ سکتے

(۴) عادات کا میلان (یا شوق) یا ایک دماغی جذبہ خواب کی شکل مین متشکل ہوجاتا ہے، ۔ اور وہ کسی فطری واقعہ کی بدولت عملی صورت اختیار کر لیتا ہے

خواب کے متعلق جدید تجربات

میرے ایک نہایت ہی مخلص دوست ہین جنکی روایت میرے خیال مین ایسی ہے جسطرح میرے نزدیک خود اپنی روایت، وہ اکثر خواب دیکھا کرتے ہین، جنھین انھون نے اپنے سوانح زندگی مین جستہ جستہ نقل بھی کر دیا ہے، گو انکی موجودہ زندگی نے ایک دنیا دارانہ صورت اختیار کر لی ہے، لیکن اپنی ابتدائی زندگی کا خواب جبکہ وہ مجھ سے بیان کرنے لگے، تو مین نہایت متاثر ہوا، چونکہ مین انکی ابتدائی زندگی سے واقف ہون اسلئے وہ میرے نزدیک ایک ثقہ راوی ہین، پہلے وہ ایک غریب طالب العلم تھے، خموشی اور کنارہ کشی انھین زیادہ محبوب تھی، تلاوت قرآن اور نماز انکا مشغلۂ علت تھا، وہ کہتے تھے کہ حیات کے اس دور مین برابر یہی خواب دیکھا کرتا تھا، کہ مسجد یا کسی دوسری جگہ پر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہون، اور بعض آیات پر فرط رقت مین زار زار رو رہا ہون اور اسی حالت مین میری نیند کھل جاتی تھی، خواب کے اندر فارسی کے بعض اشعار پڑھتے پڑھتے جنمین ترک دنیا بے ثباتی عالم، حب الٰہی اور درد و محبت کے جذبات پائے جاتے ہین، ان پر اکثر وجد انگیز کیفیات طاری ہوجاتی تھین اور روتے روتے انکی نیند کھل جاتی تھی ایکدن خواب مین انھون نے دیکھا کہ ایک سائبان مین صف باندھے ادس بارہ اشخاص بیٹھے ہین، انکی وضع قطع بالکل صوفیانہ تھی، پنجاجبہ، عمامہ،

لانبی داڑھی، مقدس اور بارعب چہرہ دیکھکر میرے دوست پر نہایت کیفیت طاری ہوئی، اور وہ ایک بزرگ کے نزدیک جو داہنی جانب شروع صف مین تشریف فرما تھے پہونچکر اظہار عقیدت کے جذبہ بے اختیار مین، انکا دست مبارک چومنے لگے، انھون نے میرے دوست کی گردن جھکائی اور انکی پشت پر ہات پھیر کر فرمایا "یہ خوب پڑھیگا" میرے دوست ایک غریب اور ناپرسان حال انسان تھے علوم وفنون سے انھین چندان دلچسپی نہ تھی، لیکن انکی بعد کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انھون نے یقیناً یہ خواب دیکھا ہوگا، اور وہ بزرگ ایک "سروش غیبی" تھے، میرے دوست نے اپنے سوانح زندگی مین ایک اور پر لطف خواب لکھا ہے، جسے مین انھین کے الفاظ مین لکھدیتا ہون،

ابا کا خط

۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۵ء دوشنبہ

ابا آج سے چودہ سال پیشتر راحت ابدی کی نیند سو چکے دنیا کے کس پردہ مین ڈھونڈھنے سے بھی آپکا پتہ نہین مل سکتا، ہان آپکی مقدس اور خدا پرست صورت نے اتفاقاً خواب مین آکر دلکو البتہ مغموم و پریشان کیا ہے، ۱۹ر اکتوبر کو بوقت شب آخر مین نے والد ماجد کا ایک خط پایا، اس خط کی نوعیت اور تحریر عجیب دلکش تھی، مضمون سے لاڈ و پیار اور شوق ملاقات مترشح تھا، نیند کھلی تو خط کا مضمون مینے یاد کر لیا، یہ خط کا خلاصہ نہین بلکہ حقیقی الفاظ ہین جو نظام غیبی کے ماتحت میرے محبوب اور چہیتے والد مرحوم کے قلم سے نکلکر عالم رویا مین مجھ تک پہونچے، مینے دیکھا...... مسجد کے نزدیک چوک پر مین کھڑا ہون، دفعتہً ڈاکیہ نے ایک خط لاکر دیا، یہ پوسٹ کارڈ تھا اسکے ساتھ ایک زرد رنگ کا پرچہ چسپان تھا جو اکثر رجسٹری شدہ خطوط مین رہا کرتا ہے۔

مضمون خط

"...... میرا لڑکا ہے جسکی خبر ...... کے دو مضامین مجھے موصول ہوئے جن سے علم و ہنر ٹپکتا ہے (جسکا مفہوم میرے ذہن مین اسوقت یہ آیا ۱۹۱۷ء اور طرز مضمون سے یہی معلوم ہوتا تھا صرف کتابت کی غلطی تھی) کے بعد سے مجھے کچھ معلوم نہین جب سے مینے یہ مضامین پائے ہین، کھانا پینا گانا بجانا ملنا جلنا سب ترک ہو گیا ہے"

باپ کی محبت اور انکے خط کے مطالعہ نے مجھے کچھ ایسا وارفتہ اور غریق بحر فنا بنا دیا، کہ مین ہمہ تن چشم بنکر خط کا مرقومہ بالا مضمون پڑھتا رہا نیند کھلی تو ایک پژمردگی اور یاس کا عالم تھا، والد کے فراق کا غم تازہ ہو گیا اور اس سن وسال مین بھی آنسو ٹپک پڑے۔

میرے دوست ایک اور خواب کا تذکرہ کر رہے تھے جو بالکل امام غزالی کے رویائے آلہی سے ملتا ہوا ہے، چونکہ میرا قلب اس قسم کے احساسات کے سمجھنے سے عاری ہے، اسلئے مین اسکی صحیح اہمیت ذہن نشین نہین کر سکتا لیکن ایک ثقہ راوی کی روایت نظر انداز کرنے کو جی نہین چاہتا، وہ کہتے تھے ایک دن مین سفر مین تھا، مغرب کی نماز مین کچھ دیر ہو گئی ایک مسجد مین جاکر فوراً نماز پڑھی، انہین قرآن مجید کا کچھ حصہ زبانی یاد تھا، مغرب کی نماز سے فارغ ہونیکے بعد وہ وہین بیٹھ رہے، اور سورۂ جن سے لیکر ۲۹ پارہ کے اخیر تک زبانی تلاوت کی، اور عشا کی نماز پڑھکر اپنی منزل پر لوٹ آئے وہ اپنے بال بچون سے ملنے جا رہے تھے، لہذا دل کسی اور شوق کا گرفتار تھا، لیکن تعجب ہے کہ انہون نے خواب مین دیکھا کہ مین وطن کی ایک سڑک پر ہون جسکے اردگرد شیشم کے بڑے بڑے درخت ہین ایسا سمان بندھا ہوا ہے، جیسے موسم بہار مین بدلی چھائی ہو، اور

بوندیں گرنے ہی کو ہوں، ایسے سنسان، مگر دلکش مقام میں عالم پر کامل سکوت طاری تھا نہ وہاں کسی انسان کا گذر تھا، نہ کوئی آواز سنائی دیتی تھی اسوقت انھوں نے دیکھا کہ میں رامائن کے لہجہ میں ہندی کی ایک غزل پڑھ رہا ہوں، (حالانکہ وہ ہندی غزلیات سے واقف نہیں) انکی آواز میں نہ معلوم اسوقت کہاں سے ایسا سوز وگداز پیدا ہو گیا تھا، کہ وہ خود حیران تھے معلوم ہوتا تھا ترنم کی دلکش لے اور لہجہ کا پر درد سوز انکے بازوؤں میں پر لگا دینگے اور وہ اڑ کر عالم بالا میں پہونچ جاوینگے، انکی آنکھوں کے سامنے سے معلوم ہوتا تھا پردے اُٹھ رہے ہیں اور گویا انکے سامنے تو امیس الٰہیہ کے جلوے موجود ہیں، ہر چند اس جلوہ گاہ میں انھوں نے، نہ کوئی صورت دیکھی نہ کوئی آواز سنی، لیکن انکے وجدان کو یہ احساس ہوا، کہ گویا انکے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں

امام غزالی اور انکی صوفیانہ زندگی

سنہ ۱۰۹۵ء سے امام غزالی کے عہد تصوف کی ابتدا ہوتی ہے، اسکے بعد آپکی زندگی کا کچھ حصہ تو ایک صوفی کی طرح بادیہ پیمائی میں گذرا، اور کچھ صوفیانہ عقاید کی تعلیم و تلقین میں، آپنے سنہ ۱۱۱۱ء میں وفات پائی، اور اپنے تمام تجربات صوفیانہ آپنے خود اپنی زندگی میں قلم بند کئے ہیں، جو عربی میں اپنی لطافت اور کمال اظہار کے اعتبار سے فقید المثال کتاب ہے، امام موصوف اپنے صوفیانہ رجحان کو مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں

میری توجہ طریقت صوفیہ کی طرف مبذول ہوئی، میں جانتا تھا کہ انکے جادہ طریقت پر رہبری کیلئے اصول اور عمل دونوں ذرایع ضروری ہیں، اسکا اصول یہ ہے، کہ انسان اپنے نفس سے تمام صفات وخصوصیات خبیثہ دور کردے، یہانتک کہ انسان کا دماغ صرف ناموس الٰہیہ کے جلوہ سے معمور ہو جائے، میرے طریقت صوفیہ کا اصول اسکے عملی اوراد و وظائف کی بہ نسبت زیادہ سہل تھا، اسلئے مینے اسے جاننے کیلئے انکی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، (یہاں امام غزالی نے تصوف کی چند کتابوں کے نام لکھے ہیں) مینے انکے اصولی فکر و عقاید پر عبور حاصل کر لیا، اور انکی طریقت کے متعلق مجھے وہ تمام معلومات حاصل ہو گئے، جو مطالعہ یا سماعت سے حاصل ہو سکتے ہیں

مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ مطالعہ کے ذریعہ سے طریقت کے خصایص کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، اسکے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے اسکے بعد امام غزالی نے ایک خطیبانہ انداز میں بیان کیا ہے کہ اسمیں جو حفظان صحت کے اصول و قوانین سے واقف ہے، اور جو خود صحیح اور تندرست ہو کسقدر فرق ہے، ایک وہ شخص جو صرف شرب اور بانگ نوشانوش کی تعریف جانتا ہو، اس شخص سے جو لذت شرب سے پرکیف اور "گاہے مے شبانہ وگہ بادۂ صبوح" کی نشاط آفرینیوں سے سرشار ہو کسقدر ممتاز حیثیت رکھتا ہے "بادہ پیمائی" جسکا "وظیفہ صبح" اور "ورد شام" ہو وہ بادہ پیمائی کی تعریف اور لذت خمار کے علمی لطائف ناواقف ہوتا ہے، اسے ایک وارفتہ کرنے والی مستی ہوتی ہے وہ لذت خمار سے ایک نشاط انفجاحاصل کرتا ہے، اور بس، ایک سنجیدہ اور زاہد منش انسان تعریف خمار تو جانتا ہے بادہ پیمائی کے متعلق اسے علمی اور طبی اصول سے تو واقفیت ہوتی ہے، لیکن وہ لذت شرب سے بالکل ناآشنا ہوتا ہے، اسی طرح جب ایک طبیب بیمار ہوتا ہے احفظان صحت کے اصول، اسباب مرض اور دفعیہ کے اسرار سے تو واقف رہتا ہے، لیکن صحت اس سے مفقود رہتی ہے، ماہرین تصوف اور رہروان طریقت کے درمیان یہی فرق ہے

مجھے اسکا یقین ہو گیا، کہ صوفیہ کے نزدیک "احوال" اہمیت رکھتے ہیں نہ کہ تعریفات اور یہ کہ جو کچھ علمی و نظری مباحث کے

ذریعہ ممکن تھا، مجھے حاصل ہوگیا، بقیہ معلومات مطالعہ و سماعت کے ذریعہ نہین حاصل ہوسکتے بلکہ انکے لئے "ذوق" کی ضرورت ہے، اور ایک مانہ معینہ تک عملی اوراد و وظایف کی،

ان علوم کے ذریعہ جو مینے پڑھے تھے، اور ان طریقون کی وساطت سے جو مینے اقسام علوم (عقلی و نقلی) کی جستجو مین اختیار کئے تھے، میرا عقیدۂ توحید، رسالت اور آخرت کے متعلق راسخ ہوگیا تھا، ایمان کے یہ بنیادی عقاید میرے نفس مین اثبات کامل کے ذریعہ نہین جاگزین ہوتے تھے، بلکہ سلسلۂ ایتلاف، اور تجربات کے ذریعہ حاصل ہوتے تھے یہ بات مجھ پر ظاہر ہوگئی، کہ مجھے نجات اخروی کی امید صرف اتقا اور نفس کو مطلوبات شہوانیہ سے محفوظ رکھنے سے ہی ہوسکتی ہے، اور یہ کہ اسکی ابتدا یہ ہے، کہ قلب کو عالم مادی کے تعلقات سے منقطع کردیا جائے۔

ان خیالات کے پیدا ہونے سے مین سمجھنے لگا کہ مین زندگی کے ایک نہایت اہم دور سے گزر رہا ہون، آخرکار ایکدن مینے ارادہ راسخ کرلیا، کہ بغداد سے ہجرت کرکے حیات کی تمام کامرانیون سے دست بردار ہوجاؤنگا لیکن ابھی تک مین پس و پیش مین تھا صبح کو مین ترک دنیا کا ارادہ کرتا تھا، تو شام کو اسمین انقلاب رونما ہوجاتا میرے ارادہ مین استقلال نہ تھا مطلوبات شہوانیہ "دامن دل" پکڑ کر کہتے تھے کہ "وجا اینجاست"، اور ایمان کا ایک سروش غیبی "بر بند ید محملہا"، کا پیہم پیام سنا رہا تھا۔

اسی طریقہ سے چھ ماہ گزر گئے، اور مین کبھی تو عالم مادی کے جذب و کشش سے متاثر ہوتا تھا، اور کبھی آخرت کی پکار سے، شششدر تھا رجب کا مہینہ تھا، اسوقت معاملہ میری مرضی اور خواہش سے بالاتر ہوگیا، مجھے مجبوری لاحق ہونے لگی، خدانے میری زبان بند کردی، میری گویائی ایسی سلب ہوگئی، کہ مین تعلیم و تلقین کرنے سے بھی عاجز ہوگیا، ایکدن مینے دیا وڈالکر چاہا بھی کہ بعض حضرات کے اطمینان خاطر کیلئے مین کچھ تعلیم کرون، لیکن میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، اب زبان کی اس بندش اور نطق کے فقدان کے باعث مین سخت مغموم رہنے لگا میری قوت ہاضمہ مین فرق آگیا، نہ کھانے کی خواہش رہی، نہ پانی کی طلب، نہ مین ایک قطرۂ آب جذب کرسکتا تھا نہ ایک لقمہ ہضم، میری قوت زائل ہونے لگی، اور اطبانے بھی شفا سے مایوسی ظاہر کی، انھون نے تشخیص کی کہ کسی دماغی تکلیف نے نظام جسمیہ پر اثر ڈال رکھا ہے، اور اسکا علاج یہی ہے، کہ وہ فکر و تردد دماغ سے دور ہوجائے تب مینے ضعف و نقاہت کا احساس کرتے ہوئے، اور اپنے ارادہ کی طلب و ادعا، سے دست بردار ہوکر مینے اس شخص کی طرح جسکا وقت ضرورت کوئی حاجت روا نہ ہو، خدا کی طرف رجوع کیا

صدائے غیبی آئی، اور میرے لئے آسان ہوگیا، کہ مین جاہ و حشم کی تمنا، دولت کی فراوانی، اور کینہ و رفقا کے تعلقات سے سبکدوش ہوجاؤن۔

اسکے بعد امام غزالی فرماتے ہین کہ کس طرح مینے بغداد کے دربار خلافت سے رخصت حاصل کی، آپنے ظاہر کیا کہ حج بیت اللہ کا ارادہ ہے، حالانکہ آپکا اصل مقصد یہ تھا، کہ شام کا سفر کرین، اور وہ ہین صوفیہ کی طرح ترک دنیا، اور مراقبہ کے اشغال مین مستغرق رہین، امام غزالی اب ایک بادیہ پیما راہب ہوگئے، آپ ملک شام مین پہونچے، اور وہان دو سال تک کنج عزلت مین بسر کی آپنے صوفیانہ ریاضت کی منزلین طے کین، تزکیہ دماغ اور تصفیہ قلب فرماتے رہے، اور ہمیشہ خیال آلہی مین مستغرق رہے، اسکے بعد آپکے

قلب مین پر حج بیت اللہ کی خواہش پیدا ہوئی آپ نے مناسک حج ادا کئے، اور دس سال تک آپکی زندگی، دو حصون مین منقسم رہی، خود اپنا تزکیہ نفس، اور دنیا کے دوسرے ارباب کا خیال، تعلقات دنیا کے افکار، زندگی کی ضروریات اور اولاد کی منت وسماجت کبھی انہین اپنی طرف متوجہ کرلیتی، اور کبھی صوفیہ کی "جمعیت" اور "علاقہ الٰہی" کی طلب کنج عزلت مین بٹھا دیتی۔ (باقی)

عبدالمالک آروی

ایک ادبی و علمی دعوت

جنوری ۱۹۲۸ء کی اشاعت نگار کو مومن کے لئے مخصوص کرکے مین نے اپنے آپکو گویا پابند بنالیا ہے کہ ہر سال کسی نہ کسی ایسے شاعر کی یاد کو تازہ کیا جائے جس کے مٹانے مین زمانہ نے اپنی پوری قوت صرف کردی ہے۔

چنانچہ ارادہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء کا نگار، "ابو المظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر" کے لئے مخصوص کردیا جائے، اور کم از کم دو سو صفحات کو محیط ہو۔ اس سلسلہ مین جو عنوانات قایم کئے ہین، یہ ہین:۔

(۱) ظفر کی سیرت اور اس کے عہد کے تاریخی خصوصیات (۲) عہد ظفر کے سیاسیات (۳) ظفر کی شاعری اور اسکی خصوصیات (۴) عہد ظفر مین دہلی کی شاعری (۵) ظفر کی شاعری پر سیاسیات وقت کا اثر (۶) دربار ظفر اور عہد ظفر کے شعراء (۷) ظفر کے عہد مین دہلی کی علمی و ادبی فضا (۸) ظفر رنگون مین (۹) حامی و آزاد کی رائے ظفر کی شاعری کے متعلق اور اسپر محاکمہ (۱۰) انتخاب کلام ظفر

امید ہے کہ ملک کے ارباب علم و ادب

عنوانات بالا مین سے کسی عنوان پر یا ایک ہی مضمون کے سلسلہ مین ان تمام یا چند عنوانات پر اپنی تحقیقات و معلومات بھیجکر ممنون فرمائینگے۔ انتخاب کلام ظفر کی خدمت ادارۂ نگار نے اپنے ذمہ لی ہے اسلئے اسپر کسی کو وقت صرف کرنیکی ضرورت نہین۔

اسی سلسلہ مین غالبًا یہ عرض کردینا بے محل نہوگا کہ بہترین مضمون کے لئے نگار کی طرف سے ایک حقیر ہدیہ سو روپیہ کا پیش کیا جانا قرار پایا ہے۔ جو کامیاب مضمون نگار کی خدمت مین ۲۵ جنوری ۱۹۳۰ء تک روانہ کردیا جائیگا۔ زیادہ سے زیادہ ۳۰ ستمبر ۱۹۲۹ء تک مضامین کا دفتر نگار مین پہونچ جانا ضروری ہے۔

نیاز فتحپوری (ایڈیٹر نگار) لکھنؤ

چند گھنٹے ایک مولوی کے ساتھ

دنیا میں "سانپ" اور "مولوی" دو چیزیں ایسی ہیں جنکی قسموں کی انتہا نہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ اکثر سانپ زہریلے نہیں ہوتے اور موخر الذکر کا یہ حال ہے کہ:

ہر کرا جامہ مولوی بینی

در دمش صد ہزار مار انگار

مسجد کے ملا سے لیکر محراب و منبر کے واعظ تک، نماز جنازہ پڑھانے والے مولوی سے لے کر اس "مولانا" تک جو بیضاوی و بخاری کا درس دیتا ہے ایک چیز (اِلّا ماشاء اللہ) سب میں مشترک پائی جاتی ہے اور وہ انکے ظاہر و باطن کا تضاد ہے۔ یعنے جس مولوی کا ظاہر جتنا زیادہ خوشنما ہے اتنا ہی زیادہ اسکا بطون مکروہ ہے۔

ایک مولوی کی "ہیئت وضعی" جس میں اسکا بے تکا عمامہ، الجھی ہوئی زلف (گاہے تا دوش وگاہے تا بناگوش) لانبی پریشان ڈاڑھی، زمین دوز بروت، سیاہ داغدار پیشانی، شیروانی نما کرتہ، نیم ساقی پاجامہ اور غیر دباغت شدہ متعفن چمڑے کا جوتا مع تسبیح و جریب رومال اور "ناسدانی" کے سب کچھ شامل ہے۔ ایک ایسی واضح، صریح، اختراع مستجل (Patent) ہے جس کو دیکھنے کے بعد گویا ہر شخص کا فطری فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس وضع والے کو مولوی سمجھے اور بہ حیثیت مولوی ہونے کے اس وضع کا اختیار کرنے والا تو گویا من جانب اللہ اسپر مامور ہی ہوا ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں قورمہ اور مرغ پلاؤ مہیا ہو سکتا ہے وہاں اپنا سلسلۂ ارشاد و ہدایت دراز کرے۔ اس میں بھلا کسی کو اعتراض کی کیا گنجایش ہے۔

مولوی کی اولین قسم جو ارتقاء مولویت کی سب سے پہلی کڑی تھی اور جو مکتبوں کے بوریوں پر نظر آتی تھی اب تقریباً مفقود ہو چکی ہے، مگر ان کے کارنامے مولویت کی تاریخ لکھنے والے کے لئے ہمیشہ اہمیت رکھیں گے۔ کیونکہ "موجودہ مولوی" اسی "گذشتہ مولوی" کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور وہ شخص جو "نفسیات مولویت" (Psychology of molvyism) سے بحث کرنا چاہیگا، اس کیلئے لازم ہوگا کہ وہ اس قسم کی ابتدا ظہور سے آغاز کرے۔ علمی و اصولی حیثیت سے آپ اسپر غور کر کے انکی اہمیت کا اندازہ یوں کر سکتے ہیں:-

مثلاً —— میرے محلہ میں بہت زمانہ ہوا ایک مولوی کسی رئیس کی ڈیوڑھی میں بیٹھ کر محلہ کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ ان کی ایک مولویانی تھیں اور چند در چند بچے جن کو اگر برابر برابر کھڑا کر دیا جاتا تو اچھا خاصہ زینہ بنجاتا۔ رئیس کے یہاں ان کو صرف پانچ روپیہ ماہوار اور کھانا ملتا تھا، لیکن انکی دیگر فتوحات کی صورتیں مختلف تھیں۔ عید، بقرعید، شبرات میں عیدیاں، بقرعیدیاں اور شبراتیاں "بپاس خاطر عزیز سلمہ" لکھکر انعام وصول کرنا تو خیر ایک جایز معمول تھا ہی، لیکن اس کے علاوہ وہ اور بھی مختلف ترکیبوں سے کام لیتے تھے اور اس باب میں وہ

ایک مخترع و موجد کی حیثیت سے بالکل اڈیسن کا مرتبہ رکھتے تھے۔ مثلاً ان کے موٹے لانبے کُرتے میں آگے پیچھے، نیچے اوپر تقریباً ایک درجن جیبیں تھیں۔ یہ جیبیں مختلف وسعت کی تھیں اور ان کا رنگ بھی مختلف تھا، کوئی سرخ تھی اور کوئی زرد، کوئی سفید تھی اور کوئی سبزی مایل، ہر لڑکے کو خفیہ ہدایت کردی گئی تھی کہ جب وہ گھر سے آئے کوئی نہ کوئی چیز لیتا آئے، پھر اگر کوئی مرچ لایا تو سرخ جیب میں ڈالدی، کسی نے ہلدی کی گرہ پیش کی تو زرد رنگ کی جیب میں رکھ لی، کوئی آٹا لایا تو سفید جیب کی نذر ہوگیا، اور سبز ترکاریاں سبز جیب میں چلی گئیں۔ ایک جیب چمڑے کی بھی تھی جس کا راز ایک دن اتفاق سے یوں کھل گیا کہ ایک مسلمان تیلی کا لڑکا کچھ تیل کٹورے میں لایا اور انھوں نے آنکھ بچا کر اسی جیب میں تیل کو انڈیل لیا۔ الغرض شام کو جب وہ گھر جاتے تھے تو مولویائن اور "ملانیوں" کے لئے بقال کی اچھی خاصی دوکان بنکر جاتے تھے۔

ایک معمولی شخص کے لئے بظاہر یہ واقعہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، لیکن ایک ماہر نفسیات غور کریگا کہ ایسے معلم کے شاگردوں میں کیا ذہنیت پیدا ہو سکتی ہے اور وہ آگے چلکر کس قسم کے "افراد قومی" بننے کی اہلیت رکھ سکتے ہیں۔

بہر حال اللہ کی یہ مخلوق تو اب مفقود (Extinct) ہوگئی ہے، لیکن اسی کی اولاد، احفاد یا تلامذہ کے سلسلہ میں جو مولوی پائے جاتے ہیں، انکی تین بڑی تقسیمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جو عربی مدارس میں لڑکوں کو پڑھاتے ہیں، دوسرے وہ جو وعظ و تبلیغ کے ساتھ لوگوں کو مرید بھی کرتے ہیں اور تیسرے وہ جو سیاسیات میں حصہ لینے کے بعد مسلمانوں کے قاید و رہنما بن گئے ہیں۔

اول الذکر قسم بظاہر گوشہ نشین و بے ضرر قسم معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی خلوت نشینی حقیقتاً "ایک مستقل ہنگامہ محفل" ہوتی ہے جس میں ایک شمع کی حیثیت رکھتا ہے اور طلبہ پتنگوں کی، رہی بے ضرری سو اسکا حال اس سے عیاں ہے کہ اگر درسگاہ اس قسم کی ہے جس کے طلبہ مسجدوں میں رہکر محلہ والوں کی خیرات اور سوم کی روٹیوں پر زندگی بسر کرتے ہیں تو اخلاقی تربیت اور علو حوصلگی معلوم اور اگر کوئی قومی مدرسہ ہی جس میں دار الاقامہ کے اصول پر طلبہ کے رہنے کا انتظام ہے تو وہاں کا نصاب ہی فرسودہ و قدیم ہے جو انسان کو آگے بڑھانے کی جگہ پیچھے ڈھکیل دیتا ہے اور جس کی تکمیل کے بعد سوائے اذان دینے، نماز پڑھا دینے یا "مسئلہ البئر محیط" سمجھا دینے کے اور کچھ نہیں کر سکتا، اور وہاں کے اساتذہ روشن خیال نہیں ہیں اور غریب طالب العلموں میں کوئی ولولہ عمل اور نشاط روح پیدا ہونے نہیں دیتے

اول الذکر قسم کے مولویوں میں سے جو افراد زیادہ ذہین ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر دوسری قسم میں منتقل ہو جاتے ہیں اور وعظ و تبلیغ شروع کر کے "مشایخانہ" حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ طبقہ زیادہ مالدار، زیادہ خوشحال، زیادہ کامیاب و رنگین ہے۔ ایسا مولوی سب سے پہلے بنگال و برما کے جاہل قریوں میں اپنی "مشق سخن" شروع کرتا ہے اور جاہل مسلمانوں کو جھوٹی روایتیں، گڑھے ہوئے کاذب افسانے مذہب وہابی مذہب کے متعلق سنا کر اول اول علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا وعظ کہتا ہے اور جب اپنی حیثیت بلحاظ ایک عالم ہونے کے "یکے از انبیاء بنی اسرائیل" کی طرح قائم کر لیتا ہے تو سراً و علناً مرشد و ہادی بنکر اپنے ارادتمندوں اور مریدوں کی رجسٹر کھول دیتا ہے اور کوشش کرتا ہی کہ کسی طرح کم از کم ۳۰ مرید اسکو حاصل ہو جائیں تاکہ اگر ایک روپیہ سالانہ بھی وصول کیا جائے (جو نہایت معمولی بات ہی) تو دو روپیہ روز کا اوسط پڑ جائے یہ طبقہ نہایت "خوش خور" و "خوش پوشاک" ہوتا ہی اگر یہ کسی ایسے قریہ میں پہونچ جاتا ہے جہاں تمام ضروری چیزیں اسکے "ذوق شکم" کو پورا کرنیوالی ملسکتی ہیں تو پھر اس کے دستر خوان کا پروگرام یہ ہوتا ہے:۔

صبح کا نسخہ:- نماز کے بعد ہی کشمیری چاء، سیر بھر دودھ اونٹا ہوا، پاؤ بھر مسکہ، ایک چھٹانک پسے ہوئے بادام، آدھ پاؤ قند، دو پراٹھے، تین ابلے ہوئے انڈے، چار کباب اور بس۔

دوپہر کا کھانا:- مرغ کا قورمہ، مرغ پلاؤ، بورانی، پسندے، باقرخانی، مزعفر، بالائی۔

سہ پہر:- سادہ چائے، اور تازہ پھل۔

شب کا کھانا:- وہی جو دوپہر کو تھا مگر شامی کباب اور بھنی ہوئی مچھلی کے اضافہ کے ساتھ۔

اگر مولانا کسی ایسے مقام میں پہونچ گئے ہیں جہاں یہ اشیاء فراہم نہیں ہو سکتیں اور ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ صرف دال ترکاری پر بسر کرنا ہوگی تو پھر وہ کہہ دیتے ہیں کہ آجکل کسی جلالی عمل کا چلّہ کھینچ رکھا ہے اسلئے سوائے دودھ بالائی کے کچھ نہیں کھا سکتا۔

مولانا کی پوشاک بھی ہمیشہ دو دو ہی کے زمانہ میں تیار ہوتی ہے۔ عماموں کی تو خیر کمی نہیں کیونکہ ہر نیا مرید جب کچھ زرِ نقد اور مٹھائی لاتا ہے تو وہ ایک نیا عمامہ بھی پیش کرتا ہے جو بعد کو گھر پہونچکر مولویائن کے دوپٹے اور بلازادوں کے کرتوں کے کام آتا ہے لیکن یوں بھی قمیص اچکن، تہمد اور ازار کے لئے طرح طرح کے سوتی اور ریشمی کپڑے تحفۃً آتے رہتے ہیں اور جو مولوی زیادہ ہوشیار ہیں وہ صرف اسی غرض سے جولاہوں اور کپڑے کے تجارت کرنے والوں کو مرید بناتے ہیں۔ مولانا کے وعظ و تلقین کا جہاں تک تعلق ہے یکسر خدا کی شانِ جلالی سے وابستہ ہوتی ہے۔ خدا ایسا قہار ہے، ایسا جبار ہے، اس نے جہنم اتنا وسیع بنایا ہے وہ یوں اژدھوں سے ڈسواتا ہے، اس طرح آگ میں جلاتا ہے۔ مگر ہاں وہ جس کی شفاعت رسول اللہ کردیں یا کوئی پیر گویا خدا کا قہرمانی وجود اپنے وقت کا جہانگیر بنا ہوا ہے اور مولینا اسکے وزیر با تدبیر ان کی ملفوظات کا بڑا حصہ خود اپنے ہی کرامات و خوارق عادات سے متعلق ہوتا ہے۔ کہ فلاں مقام پر اس طرح ایک مرتے ہوئے شخص کو اچھا کردیا، امساکِ باراں میں یوں پانی برسا دیا، فلاں کے دل کا حال اس طرح بتا دیا جن کے بادشاہ کو طلب کر کے فلاں کے سر سے آسیب کو یوں دور کرادیا وغیرہ وغیرہ۔

اگر مولانا کو ذوقِ موسیقی بھی ہے تو شب کے اول حصہ میں قوالی اور اس کے ساتھ حال قال کی چند مذبوحانہ حرکات بھی دکھائی جاتی ہیں، ورنہ شام ہوتے ہی، مولانا کا جائے قیام مردوں کے لئے "ممنوع الدخول" ہوجاتا ہے اور صرف عورتوں کی ہدایت کے لئے وقف سمجھا جاتا ہے، پیر صاحب نرم قالین پر نرم تکیوں کے سہارے دراز ہوجاتے ہیں، عورتیں ڈرتی ہوئی سہمی ہوئی شرمائی ہوئی سامنے آتی ہیں اور مولانا کا وہ جسم جو مقوی اور قیمتی غذا سے خوب نرم اور پر گوشت بنا ہوا ہے دابنے لگتی ہیں۔ مولانا تھوڑی دیر اس لذت و لطف سے سرشار ہونے کے بعد دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں اور وہاں علیحدہ علیحدہ ہر ایک تعلیم و تلقین خصوصی کے لئے طلب فرماتے ہیں، پھر چونکہ وہ مقام بلند ہے جو پیر صاحب کی اصطلاح میں۔ قاب قوسین او ادنیٰ سے کم نہیں، اس لئے یہاں کے رازِ اول تو بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور جو کبھی ہو گئے تو فوراً کل یوم هو فی الشان اور اللہ جمیل و یحب الجمال کا وعظ شروع ہوجاتا ہے اور جاہل مرید خوشی کے ساتھ اپنی عورتوں لڑکیوں کو آلۂ تفریح بنانے کے لئے راضی ہوجاتے ہیں

تیسری قسم مولوی کی وہ مولانا ہے جو ملک کے اونچے اور تعلیمیافتہ طبقہ میں اپنی کارگاہ قایم کرتا ہے تاکہ ملک کا سیاسی قاید و رہنما تسلیم کیا جائے جہاں تک اصلاحِ ملک و قوم کا تعلق ہے میرا تجربہ بالکل صفحۂ سادہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن جس حد تک تخریب و فساد متعلق ہے اس طبقہ کا

وجود اس درجہ خطرناک ہے کہ شاید ہی ہم اُفقی کنگر اس کی اہمیت کو پوری طرح ظاہر کر سکیں۔

یہ مولانا، کھدر پوش ہوتا ہے، دیسی چیزوں کا عاشق، ولایتی اشیاء سے متنفر، حریت و آزادی کا علمبردار، غلامی و استبداد کا عدو، ترقی کا حامی، تنزل کا دشمن اور

"یتیموں کا والی غریبوں کا ملجا"

سبھی کچھ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اس کے کھدر پوش سینہ کے اندر اتنا موٹا اور مکروہ قسم کا نفس ہوتا ہے کہ شاید ہی غریب فرعون کو نصیب ہوا ہو۔ اس کے تمام مقالات حریت، اسکی تمام شعلہ بیانیاں، اسکی جملہ سوراج پرستیاں، صرف حبِ جاہ سے متعلق ہوتی ہیں اور اسکا مقصود ان تمام نمائشوں سے سوا اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ ریل کے اونچے سے اونچے درجہ میں سفر کرے، وداع کے وقت لوگوں کا ہجوم اس کو اسٹیشن تک پہونچانے جائے، جہاں پہونچے وہاں رسم مشایعت کے لئے ایک جماعت موجود ہو، گلے میں ہار ڈالے جائیں، اسکی موٹر کو نوجوانان ہند دھکیل کر لیجائیں، جلوس کے ساتھ جب وہ بازاروں کی طرف سے نکلے تو ایک غرور نما انکسار کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے جھک جھک کر لوگوں کا سلام قبول کرتا جائے، اور جائے قیام پر ہر وقت زائرین کی آمد و شد سے میلہ سا لگا رہے

یہ اپنے آپ کو سیاسیات کا ماہر، نظام عالم کا "استن حنانہ" اور گردش ارضی کا محور سمجھتا ہے، اس کو یقین ہوتا ہے کہ اگر وہ نہو تو نظم دنیا درہم برہم ہو جائے، مشرق مغرب سے، شمال و جنوب سے ملجائے اور قومیت کا بیڑا غرق۔ اس قسم کا مولانا بہت کم خطرہ میں پڑتا ہے، اور اگر کبھی پڑجاتا ہے تو صرف تجارتی اصول کی بنا پر کہ آیندہ اس کے کاروبار کی رونق اس سے زیادہ بڑھ جائیگی۔ یہ سوائے اپنے کسی کی رائے کو پسند نہیں کرتا، یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں خدا نے صرف اسی کو ذی عقل و ہوش بنایا ہے اور خلیفۃ اللہ فی الارض اسی کی ذات سے عبارت ہے۔ وہ جلسوں میں ہمیشہ دیر کر کے پہونچتا ہے تاکہ جس وقت وہ پہونچے تو سارا مجمع جو اسکا انتظار کر رہا ہے، گردن اٹھا اٹھا کر اسکو دیکھنے لگے وہ چوکڑیوں پر سوار ہو کر جاتا ہے، اونچی جگہ مسندوں اور زرکار کرسیوں پر اپنا دامن عبا دراز کرتا ہے۔ وہ دوران جلسہ میں سرگوشیاں کرتا ہے، کاغذ کے پرزوں پر پنسل سے کچھ لکھ کر لوگوں کو ہدایات فرماتا ہے، گویا کہ وہ اس ساری جماعت کا ایک قاید اعظم ہے، اس مشین کا پہیوٹ یا گورنر اسپرنگ ہے جسپر پرزوں کی ..... باضابطہ گردش قایم ہے۔ مولانا، مولانا کی آوازوں سے اسکا سیروں خون بڑھتا ہے، دست بوسی سے اس کے جذبات قیادت میں برقی رو دوڑ جاتی ہے اور جس وقت وہ اسٹیج پر جاکر تالیوں کی آواز سنتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے کہ خدا عبارت ہے صرف اسی کی ذات سے، یہ حال ہے اسکی پبلک زندگی کا۔ لیکن اپنے گھر کے اندر وہ کیا ہے؟ اپنے متعلقین کے ساتھ اسکا کیا برتاؤ ہے۔ لوگوں کے حقوق وہ کیونکر ادا کرتا ہے، اس کا حال اسکی غریب بیوی سے پوچھئے جو ایک کنیز سے بدتر حیثیت رکھتی ہے، بچوں، خادموں اور اس کے اعزہ سے دریافت کیجئے کہ یہ اپنے آپ کو "خدا کا بیٹا" کہنے والا، کس طرح کا باپ کس قسم کا آقا اور کس انداز کا انسان ہے۔

اس کا مذہب یکسر خود پرستی، اس کا دین و ایمان سراسر کبر و غرور، اور اس کی ذات از سرتا پا یادگار ہے اُن فراعنہ و نماردہ کی جنکا حال تو کتابوں میں ہمکو نظر آجاتا ہے، لیکن صورت اب تک کبھی نہیں دیکھی تھی۔

میں نہیں کہتا کہ اس جماعت میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ہے تو اسکا عدم و وجود برابر ہے اور اس کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

اسقدر تمہید کے بعد مجکو اصل مدعا کی طرف آنا چاہیئے جو عنوان سے ظاہر ہے۔ میرے تجربات مولویوں کے متعلق اسقدر وسیع ہیں کہ اگر چاہوں تو برسوں تک اس سلسلہ کو قایم رکھ سکتا ہوں، لیکن اس وقت میں اپنا بالکل حال کا تجربہ پیش کرنا چاہتا ہوں، جو ادبی حیثیت سے بھی کم پر لطف نہیں ہے:۔

۴۔ جولائی کو میں ایک ...... جلسہ میں شرکت کی غرض سے الہ آباد جا رہا تھا۔ پرتاب گڈھ اسٹیشن پر پہونچ کر میں جس درجہ میں داخل ہوا، وہاں پہلے سے ایک ہندو خاتون کونہ میں بیٹھی ہوئی تھی جس سے ایک مرد جو غالباً اس کا خوش نصیب شوہر ہوگا، باتیں کر رہا تھا۔

یہ عورت جسے ایک نوجوان لڑکی کہنا زیادہ موزوں ہوگا، بہت مقبول صورت، حد درجہ مہذب، اور نہایت خوش ادا چیز تھی اور اپنی نزاکت کے لحاظ سے آسکر وائلڈ کی زبان میں بالکل ایک سفید فاختہ یا کبوتری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے رنگ کی کندنی جھلک، اس کے خد و خال کی کشمیریت، اسکی آنکھوں کی نشیلی کیفیت، اس کے لبوں کی میگونی، اس کے جسم کی لچیلی نزاکت یہ سب باتیں اسکی خوش سلیقگی، متانت و سنجیدگی کے ساتھ ملکر ایک ایسی فضا پیدا کر رہی تھیں کہ ہر شخص کو اس سے متاثر ہونا چاہیئے اور غلط ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ مجھ پر کوئی اثر اس کا نہیں ہوا، لیکن ایسی صورتوں میں میرا فلسفہ صرف یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اپنے آپ پر غور کرتا ہوں اور جب اس نتیجہ پر پہونچتا ہوں کہ میں انسان ہوں اور انسان ہی تک میری ... رسائی ہو سکتی ہے تو پھر اس نوع کی آسمانی مخلوق کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اگر توجہ ہوتی بھی ہے تو بالکل نمایش کی حیثیت سے۔ میرے لئے موقعہ تھا کہ میں مقابل کی بنچ پر بالکل اس کے سامنے اور ... اس کے بہت قریب ہوکر بیٹھ جاتا، لیکن میں نے ایسا نہیں کیا صرف احترام نسوانی کے خیال سے کہ ممکن ہے اسے کچھ تکلیف ہو اور وہ آزادی کے ساتھ گفتگو نہ کر سکے۔ میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ ایک مولانا مع اپنی تمام خصوصیات ظاہری کے، داہنے ہاتھ میں مٹھائی کی ہانڈی، اور بائیں ہاتھ میں طہارت کا لوٹا لئے ہوئے جام بدستے وسبوئے بدست) اندر داخل ہوئے اور بیک نگاہ گاڑی کا جایزہ لیکر بلا پس و پیش اپنا محاذ انہوں نے اسی جگہ قایم کر دیا جس کو میں نے قصداً چھوڑ دیا تھا۔

مجھے پہلے ہی ان کی وضع و صورت اور اس ناشایستہ حرکت سے یقین ہو گیا تھا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی مولانا ہے، لیکن اتفاق سے اسی درجہ میں ایک وکیل صاحب ان کے شناسا اور ملگئے اور انھوں نے مولانا کے لفظ سے خطاب کرکے اور بھی توثیق ثبت کر دی۔

مولانا کی عمر ۵۰ سے متجاوز ہوگی، لیکن صحت ماشاءاللہ بہت اچھی تھی اور مصنوعی دانتوں کی آب و تاب، اور داڑھی کا خضاب جو ہر چند طاؤسی ہو گیا تھا، بتا رہا تھا کہ ہنوز زعم جوانی موجود ہے۔ تمام اعضا صحیح و سالم تھے، البتہ داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا کچھ ٹیڑھا اور مفلوج سا تھا، جو غالباً عمل جراحی کا نتیجہ تھا کیونکہ ہاتھ پر ایک بڑا نشان اسکا پایا جاتا تھا۔

مولانا کو اسقدر اپنے سے قریب دیکھکر اس خاتون نے آنچل کی اوٹ سے نیچے ہی نیچے بہت غور سے دیکھا اور نہایت ہی خفیف تبسم کے ساتھ اپنے شوہر کو اور شوہر نے اسے دیکھا اور دونوں پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

مولانا نے سب سے پہلے اپنی نشست کا انداز اس طرح قایم کیا کہ چہرہ، اسی طرف رہے اور اسکے ماتھے کی سرخ بیندی جو بیر بہوٹی کی طرح چمک رہی تھی نگاہ سے اوجھل نہ ہو جب وہ اپنے نشانہ و ہدف کی طرف سے مطمئن ہو گئے، تو انہوں نے چاہا کہ کسی طرح اس کے شوہر سے بے تکلفی پیدا کرکے

اپنے آپ پر گلچینیِ جمال کو حلال کرلیں، لیکن بدقسمتی سے وکیل صاحب جوان کے شناسا تھے الف لیلہ کے کم گو حجام سے کم باتونی نہ تھے اور انہوں نے جو مولانا سے گفتگو شروع کی تو پھر اس کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ کسی طرف اور متوجہ ہوتے۔ ہر چند مولانا کی چین پیشانی، بے رخی، چہرہ کی عبوست اور کبھی کبھی اخبار لیکر اس کے مطالعہ کی کوشش کرنا صاف کہہ رہا تھا کہ وہ کسی مداخلت کو پسند نہیں کرتے اور انکی توجہ و مراقبہ کو صدمہ پہونچ رہا ہے لیکن وکیل صاحب جو اپنی پہنائی اور قدو قامت کے لحاظ سے ابوالہول (Sphinx) کی لحد ہوتے تھے، اس غریب مولانا کے آزار کو نہ سمجھ سکے اور برابر انکی یکسوئی خیال و نگاہ میں حارج رہے۔ لیکن باوصف اس کے مولانا نے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ہدف کو فراموش نہیں کیا اور اپنے کسی لمحہ عزیز کو انہوں نے بیکار جانے نہیں دیا۔ وہ باتیں کرتے تھے مگر نگاہ کا سمت نہ بدلتا تھا، وہ وکیل صاحب کے سوالوں کا جواب دیتے تھے مگر ہر جواب کے دوران میں "اس سرمایۂ جاں" کا مطالعہ ضرور کر لیتے تھے۔ وہ کوشش کر کے اپنے ہاتھ کی معیوب کج اونگلیوں کو چھپاتے تھے کہ مبادا وہ خاتون اس عیب کو دیکھ کر ان کو چاہنا چھوڑ دے، وہ آواز میں اک خاص قسم کا مصنوعی لوچ اور لحن پیدا کر کے گفتگو کرتے تھے، وہ اپنے قہقہہ میں ایک سیمین جھنکار پیدا کرنیکی سعی فرماتے تھے (کانہ دد ھم رنّان) وہ اپنی خوشدلی، قابلیت، جاہ و ثروت، دولت و امارت کا ثبوت دینے کیلئے کبھی کبھی اتفاقاً بھی کبھی فارسی کے اشعار بھی پڑھتے بڑے بڑے لوگوں کے نام اور ان سے اپنے تعلقات کو بھی ضمناً ظاہر کرتے جاتے تھے اور سب سے زیادہ زور اس پر دے رہے تھے کہ دنیا میں تعصب سے زیادہ بری کوئی چیز نہیں اور "میرا مسلک تو یہ ہے کہ "با مسلماں اللہ اللہ بابرہمن رام رام" "رام رام" کہہ کر جس وقت مولانا نے اس عورت کو دیکھا تو وہ بھی انہیں دیکھ رہی تھی اور میں بھی ان دونوں کے دیکھنے دیکھ رہا تھا، ورآخر کار جب تینوں نگاہیں مرکز اجتماع سے ہٹیں تو اس طرح کہ تینوں نے علیٰحدہ علیٰحدہ ہر ایک کو دیکھا مگر یہ منظر پیدا کرتے ہوئے کہ مولانا اپنی جگہ مست تھے اور وہ خاتون محجوب۔ الغرض مولانا کے تمام لاعبانہ تیور اس کا پتہ دے رہے تھے کہ وہ انہیں لوگوں میں تھے جو

ایں کار را بہ شیوۂ کار آگہاں کنند

جب مجھے پوری طرح یقین ہو گیا کہ مولانا کی خوش طبعی اب کافی طور پر بڑھ گئی ہے اور انہیں وثوق کامل ہو گیا کہ سارے درجہ میں صرف انہیں کی ذات ایسی ہے جس پر وہ خاتون مایل ہو سکتی (ہو سکتی کیا ہو ہی گئی ہے) تو میں سنبھلا اور میں نے آگے بڑھ کر باادب عرض کیا کہ اگر جناب اجازت دیں تو چند مسایل حضور سے دریافت کروں، جو اسی وقت میرے ذہن میں آئے ہیں۔ وہ یہ سنکر دفعتہً چونک پڑے اور بولے "ہاں ہاں کہئے، ہم لوگ اسی لئے ہیں" اور یہ کہکر پھر ایک خاص پندار کے ساتھ اس طرف دیکھ لیا۔ میں نے عرض کیا کہ "مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ جناب تنہا عالم ہی نہیں ہیں بلکہ ادیب و شاعر بھی ہیں جیسا کہ آپکی شعر خوانی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس بنا پر مجھے یہ دریافت کرنے کی جرأت کرنا چاہئے کہ کیا "غنا رخانہ ہمسایہ" اور "حسن ہگذرے سی" فایدہ اٹھانے کا مسئلہ محض شاعرانہ ادعا ہے یا واقعی کوئی شرعی حقیقت اس میں پنہاں ہے"۔ یہ سنکر ان کے چہرے پر پہلے اک ہلکی سی سرخی عتاب کی اور پھر زردی حجاب کی نمودار ہوئی اور پہلو بدلکر بولے کہ "آپ کو مجھ سے مذاق کرنیکا کیا حق حاصل ہے؟" میں نے کہا کہ "بندہ نواز، میں آپ سے مذاق کر سکتا ہوں، میں تو واقعی آپ سے سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں کیونکہ بسا اوقات سفر حضر میں ایسا ہوتا ہے کہ نگاہ مجبوراً اٹھ جاتی ہے اور میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے آخر کار کانپ اٹھتا ہوں کہ کہیں آخرت میں بازپرس نہ ہو"۔

مولانا نے مجھے غور سے دیکھا اور بولے کہ "یہ صورت تو عذاب سے ڈرنے والوں کی نہیں ہوتی، داڑھی منڈی ہوئی، مونچھ بڑھی ہوئی اور پیشانی سجدے کے نشان سے خالی"

میں۔ "بجا ارشاد ہوا، میں اپنی صورت کا سب سے زیادہ شناسا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ عذاب سے ڈرنے والی صورت کیسی ہوتی ہے، سامنے ہی موجود ہے، صراحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں تو آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں، اور آپ کو اس کا جواب بحیثیت عالم دین ہونے کے دینا چاہیے، عام اس سے کہ میری داڑھی منڈی ہوئی ہے یا خضاب سے رنگی ہوئی، میرے منہ میں دانت اصلی ہیں یا مصنوعی، میری انگلیاں سیدھی ہیں یا ٹیڑھی، میری عمر باپ ہونے کی ہے یا شوہر بننے کی"

یہ سننے کے بعد مولانا کا غصہ ضبط سے باہر ہو گیا اور آستینیں چڑھا کر بولے کہ "تم مجھ سے مسخرہ پن کرتے ہو۔ یاد رکھو میں بدمعاشوں کے ساتھ بدمعاش بھی ہوں۔"

میں نے عرض کیا کہ "میں یوں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں" اس تنقید کی تاب وہ کیا لا سکتے تھے، بے اختیارانہ طور پر اٹھ کھڑے ہوئے اور میں اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھا رہا، کیونکہ فنون سپہ گری کی رو سے اس موقعہ پر بہترین جواب حملے کے بعد ہی ہو سکتا تھا، لیکن وکیل صاحب نے ان کو پکڑ لیا اور سارا درجہ مخاطب ہو کر ان کو سمجھانے لگا کہ جانے دیجئے آپ بزرگ ہیں اپنی طرف خیال کیجئے اور چنیں چناں" میں نے کھڑکی کی طرف رخ کر لیا اور جب چند منٹ کے بعد سکون ہو گیا تو میں پھر انکی طرف متوجہ ہوا اور بولا کہ "مولانا اگر غصہ فرو ہو گیا ہو تو عرض کروں کہ میرے سوال کا جواب مرحمت ہو" یہ سنکر سارے درجہ والے تو خیر ہنس ہی پڑے تھے، وہ خاتون بھی مسکرانے لگی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔

مولانا بولے کہ خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑیئے میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے کہا کہ "بات نہ کیجئے تو لکھ کر بتا دیجئے، کیونکہ اس مسئلہ کا جواب تو حسب المراد سوائے آپ کے اور کوئی دے ہی نہیں سکتا"

وکیل صاحب خوش مزاج انسان تھے، انہوں نے کہا کہ "مولینا کیا حرج ہے آپ کیوں نہیں بتا دیتے"، مولانا بولے کہ آپ نہیں سمجھتے یہ مجھے بیوقوف بناتے ہیں، ورنہ کیا یہ خود نہیں سمجھ سکتے کہ جو کچھ یہ پوچھ رہے ہیں محض شاعرانہ بات ہے اور شرع ....."

"نہیں مولانا واللہ ایسا نہیں ہے، مجھے اسوقت تک تو صرف گمان ہی تھا، لیکن آج یقین ہو گیا کہ غنائے خانہ ہمسایہ جائز ہو یا ناجائز لیکن حسن رہگذری سے لطف اٹھانا قطعاً جائز ہے"

مولانا۔ "یہ کیونکر آپ کو یقین ہو گیا"

میں۔ "ایک بنی اسرائیل کے نبی کے طرز عمل سے"

مولانا۔ "وہ کون نبی ہے"

میں۔ "آپ تو اس طرح دریافت کرتے ہیں گویا آپ علماء امت سے ہی نہیں اور آپ کا کوئی عمل مجھ ایسے عاصی کے لئے حجت ہو ہی نہیں سکتا"

یہ سنکر مولانا غصہ میں اٹھے اور لوٹا لیکر منہ بناتے ہوئے بیت الخلاء چلے گئے۔ ایک اسٹیشن درمیان میں باقی تھا کہ وہ باہر آئے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے تو میں نے پوچھا کہ "تشبہ کسی قوم کے ساتھ ایک شخص کو اسی قوم میں داخل کر دیتا ہے، اس لئے اگر ہمارے ہاں کی عورتیں بھی

خ بندی کا استعمال کریں تو وہ ہندو ہو جائیں گی۔ آپ کا کیا خیال ہے"

مولانا۔ "بیشک بندی کا استعمال ہماری عورتوں کو نہ کرنا چاہئے"

میں۔ "لیکن مولانا، یہ تو آپ نے دیکھا کہ ہے بڑی پیاری چیز، اور خاصکر گورے رنگ پر تو قیامت ہی ہو جاتی ہے"

مولانا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تم ہو کوئی بڑے بدمعاش، اور تمہیں وہ لوگ ہو جن کے لئے خدا نے عذاب دوام کی وعید نازل کی ہے"

اتنے میں پریاگ اسٹیشن آگیا جہاں مجھے اترنا تھا، مولانا بدستور بیٹھے رہے اور میں اتر پڑا، لیکن نیچے پلیٹ فارم پر جاکر میں نے ان سے کہا کہ مولانا خدا کے لئے صرف ایک بات کان میں سن لیجئے۔ مجھے حیرت ہے کہ انھوں نے کہنا مان لیا اور جب انھوں نے کھڑکی کے پاس آکر اپنے کان قریب کئے تو میں نے عرض کیا کہ "مولینا اس میں شک نہیں کہ مال اچھا ہے، کچھ یاروں کا بھی حصہ ہونا چاہئے"

یہ سنکر انھوں نے میری گوشمالی کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میں الگ ہٹ گیا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

اکاڈمی کا دفتر پریاگ اسٹیشن سے صرف دو تین فرلانگ کا فصل رکھتا ہے، اور اس دس منٹ کے راستہ میں جس خیال نے میرے دماغ کو گھیر رکھا تھا وہ مولانا کا واقعہ نہ تھا بلکہ غالب کا یہ شعر تھا جسے میں گنگناتا جارہا تھا:-

اگر بہ دل نہ خلد انچہ از نظر گزرد

زہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

تذکرۂ خندۂ گل

یا

ظریف شاعروں کا تذکرہ

جسمیں ۳۰۰ سو سے زیادہ اردو، فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات، انکے لطائف و ظرائف اور انتخابات کلام درج ہیں۔ یہ کتاب اردو میں اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل اچھوتی چیز ہے اور ہر صاحب ذوق کی لائبریری میں اس کا رہنا ضروری ہے۔ تنہائی میں اس سے بہتر مونس، غمگینی میں اس سے زیادہ کامیاب ذریعہ تفریح اور اہل تحقیق کے لئے اس سے زیادہ مواد اس موضوع پر اور کہیں نہیں مل سکتا۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحات۔

قیمت مع محصولڈاک للعہ (چار روپیہ) منیجر "نگار"، لکھنؤ

ہماری فسانہ نگاری

اور

فسانۂ عجائب کے اجزائے ترکیبی

(بہ سلسلۂ سابق)

یہ مضمون بھی بہت پامال ہے اور طلسمی قصوں مین اکثر جگہ پایا جاتا ہے۔ اسی صورت سے بہار دانش مین ملکزادہ کو مہربانو کی خلخال مچھلی کے پیٹ سے ملی ہے اور اسی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہونچا ہے، اسطرح مصنف بہار دانش نے ملکزادہ کو ایک ہولناک جنگل مین پہونچا کر دیو ہیل سے کشتی کرائی ہے۔ اور اُسے سرحد عدم مین پہونچا کر پری نژاد کو رہائی دلائی ہے۔ وہان بجائے سفید دیو کے ایک وزیرزادہ کو ملکزادہ کا معین بنایا ہے۔ اسکے بعد انجمن آرا۔ اور جانعالم طوطے بنگئے ہین اور اُڑتے پھرے ہین۔ یہ وہی تبدیل قالب کا جادو ہے اور اس قسم کے واقعات مثنوی گلزار نسیم مین بھی موجود ہین

ملکہ مہرنگار ایک بادشاہ یا کسی رئیس کے قبضے مین پھنسی ہے اور اس سے معاہدہ ہوا ہے کہ برس دن تک اگر کوئی ڈھونڈھنے نہ آئے تو مین تیرے ساتھ شادی کرلون گی۔ یہ معاہدات ایسی سرگشتہ شاہزادیان اکثر کرلیتی تھین اس قسم کی بہت سی کہانیان مشہور ہین جو قریب قریب ہر شخص نے سنی ہونگی

اسکے بعد اُس طوطے کی بدولت جو اوّل مین جانعالم کا رفیق تھا مہرنگار اور انجمن آرا اور جانعالم کی ملاقات ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی قسم کی امداد طوطے نے بہار دانش مین کی ہے اور آخرکار وہی ذریعۂ ملاقات باہمی بن گیا ہے۔ نل و دمن کی خط و کتابت بھی طوطے ہی کی بدولت ہوئی ہے

اسکے بعد پورے قصہ مین ایک جگہ سردی کی شدت کا بیان ہے اور ختم ہے۔ رہنوردان عشق کو ایسے جنگل ملتے ہی رہتے ہین جہان وہ امت موسیٰ کی طرح سرگردان اور پریشان پھرا کرتے ہین۔ ان جنگلون مین کہین گرمی زیادہ ہوتی ہے کہین سردی۔ یہ کوئی نئی بات نہین ہے فسانۂ عجائب کے درمیان مین جو حکایات لائی گئی ہین انکا طرز انوار سہیلی اور بہار دانش دونون سے ملتا ہے۔ مگر اسکو بہار دانش ہی کا صحیح تتبع کیا جاسکتا ہے۔ کوئی خاص جدت نہین ہے۔ غرضکہ یہ لحاظ نفس قصہ اول سے آخر تک کوئی نئی بات نہین ہے

عبارت کے لحاظ سے اُس زمانہ کی کتابون مین فسانۂ عجائب کا ایک خاص درجہ ہے۔ اور بغیر رعایت کہا جاسکتا ہے کہ سرور نے جس رنگ سے اس فسانہ کو تمام کیا اس کا جواب نہین۔ پھر بھی دو تین باتین اس مین ایسی ہین جنسے عبارت کی زیب و زینت کو ایک داغ لگ گیا ہے

(۱) مصنف کو نثر مقفےٰ کرنیکی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہے اور اسکی وجہ سے قوافی مین رطب و یابس سبھی بھر دیتا ہے۔ کوئی بات حسب موقع اور حسب حال ہو یا نہو مگر کبھی کبھی قافیہ کی مجبوری کی وجہ سے لانا پڑتی ہے اور اس سے صاف تصنع اور بناوٹ کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ رنگ فسانۂ عجائب کی عبارت مین اول سے آخر تک ہے مثال کے لیے چند فقرے چنکر پیش کرنا بیکار محض ہے کیونکہ یہ کوئی ایسی بات نہین ہے کہ اس کے لئے چند صفحات کافی ہون اسکے لئے ضرورت ہے کہ کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا جائے ہلکی سی نظر فکر کے سامنے یہ سب کرشمے آجاتے ہین

(۲) بتانے والے بتاتے ہین کہ فسانۂ عجائب کی عبارت اُس زبان مین لکھی گئی ہے جو خاص بیگماتی یا شاہی زبان ہے حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ سرور نے گو اسکی کوشش کی ہے۔ مگر وہ متوسط فرقہ کی زبان سے آگے او سکو بڑھا نہین سکے۔ اور بعض جگہ تو اسدرجہ گر گئے ہین کہ ارذل واداتی کی زبان کو بھی مات کر دیا ہے مطلق یہ خیال نہین رکھا کہ یہان کیا کہنا چاہئے اور کیا کہتے ہین۔ وہ دکھاتے ہین کسی شخص کو فرقۂ اعلیٰ مین سے مگر وہ سکی گفتگو ایسی بیموقع اور خلاف امید ہوتی ہے کہ کتاب کا درجہ اس سے پست ہو جاتا ہے۔ مثلاً چند فقرے ملاحظہ فرمائیے۔ جانعالم ہزارون تمناؤن لاکھون آرزوؤن کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ وہان سرور اسکی خوبصورتی کے بیان مین رطب اللسان ہین۔ مگر ساتھ ہی ایک ایسے بچہ کے لئے جسے پیدا ہوئے ابھی دو گھنٹے بھی نہین گزرے یہ فقرے بھی لکھ جاتے ہین "کاسہ سر سراسر شور جوانی زور شباب سے معمور۔ آنکھین جھپکانے والی دیدۂ غزال ختن کی شراب عشق کے نشے سے چکنا چور،، اسی طرح ایک جگہ جہان جادوگرنی بیان کرتی ہے کہ لے جانعالم مین مدتون سے تیری خواہشمند تھی وہان یہ بھی کہتی ہے کہ "آج لات و منات کی مدد سے تو میرے قابو مین آیا،، حالانکہ لات و منات کو جادو سے کوئی تعلق اور واسطہ نہین۔ یا۔ اسی جادوگرنی سے جب شاہزادہ یہ کہتا ہے کہ مین تیرے پاس رہون تو کیونکر رہون مین محض انجمن آرا کے لئے گھر سے نکلا ہون حکومت کی مجھے پروا نہین ہے وہان شہزادہ کے منہ سے یہ فقرہ نکلا ہے۔ "اللہ کی عنایت سے گھر کی حکومت چین کرنے کو کافی تھی،، یہ وہ فقرہ ہے کہ شاہزادہ تو شاہزادہ ایک رئیس بلکہ ایک متوسط درجہ کا آدمی بھی نہین کہہ سکتا۔ ایسے ہی جادوگرنی نے جسوقت شاہزادے کو تعویذ دیا ہے تو اُس سے کہا ہے کہ تو یہان اکیلا رہتا ہے ڈرتا ہوگا۔ تو سرور شاہزادے کی شجاعت کے تمام گذشتہ افسانے بھول جاتے ہین اور شہزادے کی زبان سے یہ زنانے چلے کہلا دیتے ہین "کوئی ہمین مار ڈالے تو دن بھر مٹی خراب رہے،، ایک تو یہ کہنا کہ کوئی ہمین مار ڈالے دوسرے یہ کہ دن بھر مٹی خراب رہے۔ کچھ ایسے ہین جنکی کوئی گنجائش ایسے محل پر نہین

جادوگرنی نے شہزادے کو ایک نقش سلیمانی دیا کہ اسے بازو پر باندھ تو اُسنے باندھ لیا۔ ایک روز جو اتفاق وقت سے اُسکو کھولکر دیکھا تو اُس کا یہ نقشہ تھا دربست دربست کا نقش۔ ہر خانے مین اسمائے آلہی مع ترکیب و تاثیر تحریر تھے۔ دیکھتے دیکھتے خانۂ مطلب مین نظر پڑی۔ لکھا تھا کوئی شخص کسی ساحر کی قید مین اگر ہو یہ اسم پڑھے نجات پاوے،، ہمارے نزدیک یہ بالکل نئی بات ہے کہ نقش مین یہ باتین درج ہون۔ اس طرح سے تو کوئی عمل کی کتاب ہو سکتی ہے نہ کہ نقش کی یہ ایک غلطی ہے۔ اور سخت غلطی ہے۔

ملکہ مہرنگار شاہزادے سے کہتی ہے۔ کہ میرے باپ نے ہر چند مجھسے شادی کو ارشاد کیا مینے بسبب مفارقت انکار کیا۔ اب فعتاً آفت آسمانی و بلائے ناگہانی مجھپر ٹوٹ پڑی کہ بیک نگاہ عاشق کیا دیوانی ہو گئی،، جہانتک خیال کیا جاتا ہے آخری فقرے ایک شاہزادی ور دہ بھی

ناکتخدا کبھی نہین کہہ سکتی۔ اور پھر وہ بھی ایک ایسے اجنبی شخص سے جو صرف ایک رات رہا ہو

ملکہ مہر نگار اپنے باپ کی تعریف کرتی ہے۔ کہ "ہر چند ظل سبحانی عامل بے بدل ساحر بے مثل ہین۔ علوی سفلی سب کچھ پڑھا لکھا"، علوی سفلی کا پڑھنا لکھنا اس بات سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ ظل اللہ عامل بھی ہین اور ساحر بھی۔ درویش متشرع مسلم بھی ہین۔ اور جادوگر زندیق اور کافر بھی

جانعالم جب ملکہ مہر نگار سے رخصت ہوتا ہے تو ملکہ وہ فقرے فرماتی ہین جو بزرگ اپنے چھوٹون کے پردیس جانے کے وقت کہتے ہین۔ "جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو اسی صورت اللہ تمھارا مُنھ دکھائے"

جانعالم جب شہر زرنگار مین پہونچا ہے تو وہان کے بازار کی آب و تاب لکھتے ہوئے مصنف یہ مبالغہ آمیز فقرہ لکھتا ہے "کوئی شے کسی طرح کا اسباب ایسا نہ تھا کہ اس بازار مین نہ تھا مغرب و مشرق کی اشیائے نادرہ کا ہر جا انبار تھا" یہ لکھکر اشیائے نادرہ کا بیان اس صورت سے کیا جاتا ہے۔ حلوائی۔ نان بائی۔ کنجڑے۔ قصائی۔ سقون کے کٹورون کی جھنکار، میوہ فروشون کی پکار۔ دلالون کی بول چال وغیرہ وغیرہ مگر اشیائے نادرہ کا کوئی ذکر نہین ہے

شہزادہ جب انجمن آرا کے چھوڑانے اور جادوگر سے لڑنے کے لئے چلا ہے۔ اور انجمن آرا کی ماں کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کوئی ایسا حسین شہزادہ انجمن آرا پر عاشق ہو کر آیا تھا اور وہ جادوگر سے لڑنے جاتا ہے۔ تو وہان مصنف لکھتا ہے "انجمن آرا کی ماں دردولت سرا پر چلی آئی" سمجھ مین نہین آتا کہ وہ بیگم کسقدر شریف اور عفت مآب تھی۔ اسکے بعد مصنف نے یہان وہ سمان دکھایا ہے کہ جیسے ایک داماد کی متمول سسرال مین تواضع ہوتی ہے جسکا بظاہر کوئی محل نہین ہے۔

جادوگر کے قبضے سے چھوڑانے کے بعد انجمن آرا کی پہلی ملاقات جانعالم سے ہوئی۔ یا تو جانعالم وہ شریف اور ضابطہ عاشق تھا کہ فرشتہ اُسکے دامن پر نماز پڑھتے تھے یا انجمن آرا کو دیکھتے ہی بالکل بدحواس ہو گیا وہان مصنف لکھتا ہے کہ "ہر چند ضبط کیا نہ ہو سکا۔ تھراتا۔ دم چڑھ جاتا۔ دوڑ دوڑ کر گرد پھرنے لگا لڑکھڑاہٹ سے گرنے لگا" اسپر طرہ یہ کہ انجمن آرا ایسی شریف۔ بھولی شرمیلی لڑکی جسکا کیرکٹر مصنف نے ہمیشہ بہت ہی شرمیلا دکھایا ہے۔ پہلی ہی ملاقات مین باوجود اس دیوانگی کے جان عالم پر عاشق ہو گئی۔ اسجگہ مجھے بیساختہ نصیبی کا یہ شعر یاد آتا ہے

زندہ در عشق چسان بود نصیبی مجنون
بیش ازین عشق مگر اینہمہ دشوار نبود

(اے خدا کیسے تھے وہ رقیق القلب۔ اور جلد باز عاشق۔ آج تو ایک کا بھی جلوہ نظر نہین آتا) مگر آگے چلکر مصنف کو تنبہ ہو جاتا ہے اور فوراً کہتا ہے کہ انجمن آرا نے یہ حرکتین دیکھکر جانعالم سے شرما کر سر جھکا کر کہا سنبھلو صاحب کچھ پاس و لحاظ بھی کسی کا نہین" اللہ اکبر کیا عذر گناہ بدتر از گناہ کی مثال کوئی اس سے زیادہ مل سکتی ہے۔ کیا ایک شاہزادی کی یہ گفتگو بیباکانہ تسلیم کیجائیگی

اسکے بعد بھی انجمن آرا سے ضبط نہ ہو سکا۔ اُسنے شاہزادہ کا جو بے ہوش تھا۔ سر اپنے زانوئے نازنین

پر رکھ لیا۔ اور جب جانعالم کو ہوش آیا تو اُسنے زانو ہٹا لیا۔ مگر اس جگہ جانعالم نے جس رذالت اور شہدے پن کا ثبوت دیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے یعنی "یہ کہہ کے آنکھین بند کر لین کہ پھر ہمین غش آیا تمنے زانو کیون سرکایا اسپر بی انجمن آرا چڑھ گئین کھسیا گئین اور ایسا جواب دیا کہ

تڑاق سے کہا کیا خوب اتنا اختلاط میری چرخ ہے - مین نے تیری محنت اور مشقت پر نظر کرکے یہ انسانیت کی حرکت کی تھی، تم چل نکلے ۔خدا جانے دل مین کیا سمجھے - اپنی راہ لیجئے، چلتا دھندا کیجئے واہ واہ نیکی بر باد گنہ لازم،، انجمن آرا کے یہ بازاری فقرے - چل نکلے - چلتا دھندا کیجئے اپنی راہ لیجئے وغیرہ - ایسے ہین کہ کوئی شریف نوجوان لڑکی نہین کہہ سکتی - اسپر حضرت جانعالم کے یہ سوقیانہ جواب اور پھکڑ مذاق اور بھی سونے مین سہاگے کا عالم دکھاتے ہین "چور کی داڑھی مین تنکا، تمھین اپنا عاشق کبھی نہ سمجھون گا - نہ معشوقون کے دفتر مین آپ کا چہرہ لکھونگا،، خیر اسپر بھی اگر بس کرتے تو خیر - مگر سرور مرحوم انجمن آرا سے یہ بیسواؤن کے سے فقرے بھی کہلاتے ہین - "واہ چہ خوش بھلا دل تو بہلا لو - کچھ ہمیں یا تمھیں زبان کا مزا نکالو - یہ تو وہی مثل ہوئی "مان نہ مان مین ترا مہمان"، عشق اور عاشقی کی باتین میری بلا جانتے - رمز و کنایہ کسی اور سے جا کے کرو - اپنا چوچلا تہ کر رکھو - اپنی صورت تو غور سے دیکھو تمنے سنا نہین - حلوا خوردن را روے باید،، انجمن آرا کی اس تقریر کو پڑھکر یہ معلوم ہوا کہ بھٹیاریان سرائے مین لڑ رہی ہین اسپر میان جانعالم کا یہ ارشاد سبحان اللہ وبحمدہ - کیا کہنا - گویا صاف انجمن آرا کی عفت پر حملہ ہے "وہ مین بیچارہ خستہ تن - غربت زدہ دور از وطن مہنت پن کہان سے لاؤن کیونکر ویسی صورت بناؤن - ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے - کفر و اسلام مین بڑا فرق ہوتا ہے - تمھین ابھی تک موہن بھوگ کا ذائقہ نہین بھولا ہے دم تقریر زبان پر حلوا ہے،،

مگر انجمن آرا بھی ایسی ڈھیٹ تھی کہ کسی طرح خاموش نہین ہوتی کہتی ہے "کہا چلو، صاحب وہ ہوا قربان کیا تھا - اپنی چونچ بند کرو کٹی جلی کی ہنسی اپنے گھر جا کر کرو،" یہ وہ باتین ہین جنھین سرور کے قلم نے ایک شاہزادی کے بجائے ایک بیسوا کا کیرکٹر دکھایا ہے اور جانعالم کو بجائے ایک شریف کے اچھا خاصہ لچا غنڈا بدمعاش بنا کر دکھایا

جسوقت انجمن آرا کو مانجھے بٹھایا گیا ہے یا منگنی کی گئی ہے وہان تو سرور کے قلم نے وہ انوکھی باتین لکھی ہین کہ کیا کہا جائے -

اراذل اور ادانی کے یہان بھی وہ باتین نہین ہوتین - اوّل تو بیگمات مین ان رسوم کا دستور کہان ہے - اور اگر ہے تو اسقدر بیحیائی مان کے طفلیانہ سوال کا ایسا بے باکانہ جواب انجمن آرا ہی کا کام تھا - سرور لکھتے ہین "اُسنے پہلے بیٹی کو گلے سے لگایا - پیار کیا - پھر کہا سنو پیاری دنیا کے کارخانے مین یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک بیٹی کسی کی مان باپ پاس ہمیشہ نہین رہتی - اور غیرت دار کے گھر مین لڑکی جوان - ہر وقت رنج کا نشان خفت کا سامان ہے اور خدا و رسول کا حکم بھی یہی ہے - کہ جوان کو بٹھا نہ رکھو -،، بھلا خیال تو کیجئے کہ ایک مان اور مان بھی ملکہ - کیونکر یہ باتین اپنی بیٹی سے کہہ سکتی ہے - یہ باتین تو شریف غریب لوگون مین بھی نہین ہوتین - جن فقرون کے خط کھینچا گیا ہے اونکو بار بار پڑھئے اور سمجھئے

آگے چلکر مان اپنی بیٹی کو جتاتی ہے کہ ایک شخص تجھپر عاشق ہے - اور تجھسے زیادہ خوبصورت ہے - اسپر انجمن آرا رد کرتی ہے کہ صورت شکل کا کیا ذکر ہے،، مان بیٹون مین یہ باتین کسقدر فطرت سے دور معلوم ہوتی ہین اور کسقدر بیحیائی ان مین کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے -

اسی وقت انجمن آرا اپنی مان سے یہ بھی کہتی ہے "خدا جانے وہ کون ہے کہان سے آیا ہے اپنے منہ سے میان مٹھو شہزادہ بنا یا ہے - آپکی لونڈی ہون ہر صورت فرمانبردار ہون اگر کنوئین مین جھونک دو چاہ سے گر پڑون اُف نکرون مگر جو آپ اوسکی شکل پر ریجھ محنت و مشقت کو

سمجھ بوجھ یہ مقدمہ کیا چاہتی ہین تو مین راضی نہین" اس عبارت کا ایک ایک فقرہ انجمن آرا کی بیباکی اور ناہمواری کا پتہ دیتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر آوارہ رہی ہے

اسپر ستم بالائے ستم یہ ہوتا ہے کہ مغلانیان وغیرہ سمجھاتی ہین۔ اونکی بھی فقرے وہی حماقت آمیز دور از عقل ہوتے ہین جو فقرہ ارذل مین سُنے ہین ملاحظہ ہون "قربان جائین واری مان باپ کی عدول حکمی خدا اور رسول کی نافرمانی ہوئی ہے۔ تمھین انکار مناسب نہین۔ اور خدانخواستہ کیا تمھارے دشمن ہین جو راہ چلتے کے حوالے کسی کے کہے سُننے سے بے دیکھے بھالے کر دینگی"

رسم زمانہ کے موافق سرور نے شب عروسی کا سمان بھی دکھایا ہے مگر وہ حیا سوز منظر ہے کہ صاحبقران اور جان صاحب کے دیوانون مین نظر نہین آتا۔ مین اسپر کوئی تنقید کرنا نہین چاہتا صرف عبارت نقل کرتا ہون اور خط کھینچتا ہون

"خواہش کو اضطرار۔ حیا مانع کار۔ شرم بر سر تکرار دونون کے دم چڑھ گئے تھے جنگ زرگری کا زور بیان کر رہے تھے۔ شہزادی موقع پر ہاتھ نہ لگانے دیتی تھی۔ بے بس آجاتی تھی تو چٹکیان لیتی تھی۔ گاہ کہتی تھی اتنا کوئی گھبراتا ہے دیکھو تو کون آتا ہے۔ کبھی خود اُٹھ کے دیکھتی بھالتی تھی کوئی دم یون ٹالتی تھی اسی موقع پر سرور نے فردوسی کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے

چنان بُرد و آورد و آورد و بُرد — کہ دایہ ز حسرت پس پردہ مُرد

——— رشک و حسرت سے جگر صدف چاک ہوا دشمن کمبخت در پردہ ہلاک ہوا

تقاضائے سن، الھڑپنے کے دن اُسوقت دونون گھبرائے اور وہ کیفیت سب بھولی جب دامن سب مین چادر پلنگ پر شفق صبح پھولی۔ صبح ہوئی تو دولہا دولھن اُٹھے۔ اوس موقع پر سرور نے نہایت ہی رکیک لفاظ استعمال کئے ہین اور پھر لطف یہ کہ یہ الفاظ نہ صرف رکاکت پر مبنی ہین بلکہ اونمین وہی بازاریت اور متوسط بلکہ ادانی کی زندگی کا نمونہ پایا جاتا ہے

"نمود سحر ہوی۔ عام شب کی خبر ہوئی۔ دم صبح ایک سرخرو۔ دوسرا ژولیدہ مو۔ حمام مین داخل ہوئی۔ جو جو محرم راز شریک نور دگداز تھین انھون نے رات کی باتون کے پتے رمز و کنائے مین دئے۔ سب نے قہقہہ مارا۔ جیب رو برو زنجیری اور تنبول آیا شرما کے سر جھکایا۔

آخری فقرے تو بالکل اُس رنگ مین رنگے ہین جو معمولی لوگون کے گھر مین ہوتا ہے۔

جان عالم جب انجمن آرا کو لیکر رخصت ہوا تو پہلے مہرنگار کے شہر مین پہونچا تمام حشم و خدم۔ فوج و لشکر ساتھ تھی ایک جنگل مین قیام کیا۔ تب ملکہ کو خبر ہوئی۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے فوج کی فوج آئی اور ملکہ کو خبر نہوئی سبحان اللہ۔ پھر معلوم کرنے کے لئے عام عورتون کی طرح تماشا دیکھنے کو کوٹھے پر چڑھ گئی تب خبر ہوئی۔ کیا جانا عالم اسقابل نہ تھا۔ کہ خبر کرا دیتا اور مہرنگار کیسی امیرزادی تھی کہ کوٹھے پر سے عام لوگون کی طرح دیکھنے گئی۔ یہان کی عبارت یہ ہے

"بارہ دری سے نیچے اُتری پھر کہا خدا جانے یہ لشکر کہانسے آکر اترا ہے۔ بلکہ ہنسکر بحیلہ سیر خواصون کے کندھون پر ہاتھ دھر کوٹھے پر چڑھ گئی جان عالم مہرنگار کے مکان پر مع انجمن آرا آیا۔ دو نوجوان شاہزادیون کی گفتگو ہوئی۔ مگر وہ گفتگو جو بالکل بےموقع ہے اور بازاری عورتون مین بھی شاید ایسی گفتگو نہوتی ہو"

"ملکہ آبدیدہ ہوکر بولی تمنے مجھے محجوب کیا میں فقیر کی بیٹی تم شہزادے ہر چند شاہ و گدا دونون بندہ خدا ہین الا تمھارے قدم آنکھون پر رکھون تو بجا ہے۔ آپ کے آنے سے مجھے بڑا افتخار حاصل ہوا ہے۔ انجمن آرا بولی ہم نے خوب کیا رنڈی یہ چوچلے کی باتین بیگانہ وار نکرتی تو کیا ہوتا اے صاحب ہمارے تمھارے تو رشتہ ہمسری سررشتہ برابری ہے اور حساب کی راہ سے پہلے تو سلامتی سے تمھین ہو سرکار کا اُنس ہمین ملا ہے۔ پہلے مزا آپ نے چکھا ہے۔ جوبن لوٹا ہے"

واضح ہو کہ یہ وہ انجمن آرا ہے جسکا کیرکٹر ہمیشہ مصنف نے نہایت ہی شرمیلا دکھایا ہے اور مہر نگار کے مقابلے مین ہر جگہ اوسکو بھولا بھالا ثابت کیا ہے

ملکہ مہر نگار کا باپ جب بعد نکاح ملکہ کو رخصت کرتا ہے تو شاہزادے سے وہ باتین کرتا ہے جو بالکل چھوٹے لوگون مین ہوتی ہین ایک ایسے بادشاہ سے جو فقیر ہو گیا ہو یہ باتین اچھی نہین معلوم ہوتین۔ وہ کہتا ہے

"فقیر زادی کو کنیز عزیز جان کر نظر الطاف و کرم ہر دم رکھنا۔ یہ بھی خدمتگذاری مین قصور نکریگی اسے تمکو سونپا تمھین حافظ حقیقی کے سپرد کیا۔ لو خدا حافظ"

جب وزیر زادہ جانعالم کو تو اسے سراپردۂ خاص مین لیگیا۔ اس جگہ مصنف لکھتا ہے۔ "جتنی جلیسین انیسین۔ مہ جبینین دونون شہزادیون کے ہمراہ تھین اسے دکھا فرمایا جس طرف تیری رغبت ہو دلوا دون وہ نطفۂ حرام اور خیال مین تھا عرض کرینگا"

چونکہ وزیر زادہ شاہزادے کا دخیل صحبت تھا۔ تو دونون شہزادیون نے ان عامیانہ اور سوقیانہ الفاظ سے شاہزادہ کو سمجھایا۔ "ہر دم ایک شخص غیر اور جوان کو شریک صحبت خلا ملا رکھنا کیا نامناسب ہے۔ اور آداب سلطنت سے بھی یہ امر بعید ہے شیطان کو انسان دور بجانے۔ غیر تو غیر اپنے کا کیا اعتبار"

جب وزیر زادہ جانعالم کے قالب مین آگیا ہے۔ اور خیمہ مین آنے سے ملکہ کو کچھ شبہہ ہوا ہے تو اُسنے انجمن آرا سے وہ کلمے کہے جو عوام بھی نہین کہتے۔ "خدا خیر کرے آج بہت شگون بد ہوئے تھے صبح سے دہنی آنکھ پھڑکتی تھی راہ مین ہرنی اکیلی رستہ کاٹ میرا منہ تکتی تھی۔ اپنے سایہ سے بھڑکتی تھی خیمے مین اترتے وقت کسی نے چھینکا تھا۔ خواب متوحش نماز کے وقت دیکھا تھا"

وزیر زادہ بصورت شہزادہ جب ملکہ کے خیمہ مین پہونچا تو ملکہ نے پوچھا آج کہان آرام کروگے۔ ملکہ نے کہا یہین سو رہو۔ یہ بھی عجیب عامیانہ جملہ ہے جو ملکہ کی زبان سے نہین نکل سکتا۔

جب شاہزادہ جان عالم کو بصورت بوزنہ بادشاہ کے دربار مین لے چلے ہین تو ملکہ مہر نگار جھروکے سے جھانک رہی تھی۔ اُسوقت ہزارون آدمیون کے مجمع مین وہ اسی جھروکے سے فرماتی ہین "ایک دم ٹھہر جائین اسکی تقریر کی مشتاق ہون"۔ سوداگر نے ہاتھی روکا ملکہ نے کہا اے مقرر بے زبان گم کردہ خانمان اگرچہ اب ہم کس لایق ہین۔ مگر تیری داستان ظلم و جور کے شایق ہین"۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی شاہزادی کوٹھے تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھ سکتی ہے اور کیا اتنے مجمع مین اسکو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ اور کیا اُسکی زبان سے یہ لفظ اچھے معلوم ہوتے ہین "کہ اب ہم کس لائق ہین"

جہان شاہزادہ جان عالم کا جسم معہ لشکر کے نصف پتھر کا ہوگیا ہے اور تمام لشکر مصیبت مین مبتلا ہے وہان مصنف کے یہ فقرے کسقدر برمحل معلوم ہوتے ہین "وہ رنڈیون کی زاری انجمن آرا کی بیقراری علی الخصوص ملکہ کے بیان سے زمین و آسمان کانپتا تھا"

رنڈیون کا لفظ۔ اور ملکہ کا بین (بیان) کرنا علی الخصوص قابل داد ہین۔

جسوقت لشکر اس رنج ومحن مین مبتلا ہوا ہے اتفاقی ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا پہونچا ہے اور وہ ملکہ کے خیمہ کے پاس آیا۔ وہان سرور ملکہ کی زبان سے یہ فقرے ادا کراتے ہین "بھائی اسوقت بردہ کہان کا"، یہ فقرے بالکل معمولی لوگون کے ہین

پیر مرد ملکہ مہر نگار کے باپ کا کیرکٹر مصنف نے ہر جگہ یہ دکھایا ہے کہ وہ ایک مرد فقیر مہذب قانع آدمی ہین، مگر وہ جب جادوگرنی سے لڑنے گئے تو یہ سوقیانہ گفتگو کرنے لگے۔ ملاحظہ ہو

"اے ننگ فرقہ بنی آدم مردود عالم تجھے جوش شہوت دلولہ مباشرت نے آمادہ قتل ہزارہا بندگان اللہ بے جرم وگناہ کیا مین مرگ عزیزان دیکھون مرنے سے ڈرون۔ بقول تیرے آج نہ موا کل مر جاؤنگا" ایسے ہی جب وہ جادوگرنی پر فتحیاب ہوچکا تو کہنے لگا۔ کہ "اسکا باپ شہنشاہ جادوان ہے کوئی دم مین ضرور آئے گا بکھیڑا مچائیگا" آخری فقرہ بالکل عوام کے رنگ مین رنگا ہوا ہے

اسیطرح اس مرد فقیر نے جادوگرنی کے باپ سے یہ گفتگو کی "جسکا خون زمین پر گرے گا۔ اسکا مظلمہ مواخذہ تیری بیٹی جو فاحشہ تھی اسکی گردن پر ہوگا ہم سمجھے تھے وہی ننگ خاندان تھی اب معلوم ہوا ایسون کے ویسے ہی ہوتے ہین تجھے سفید داڑھی کی شرم نہ آئی کہ وہ مرے تیرا کلنک کا ٹیکا مٹا"۔ جو جو عامیانہ فقرے ہین وہ خود پکار رہے ہین مینے صرف خط کھینچ دیا ہے

جان عالم سیر دریا کے لئے جا رہا ہے۔ اور وہ ملکہ مہر نگار سے کہتا ہے "چلتی ہو" ملکہ کہتی ہے "آپکو اور لہرائی نیا ڈھکوسلا سوجھا" ایک شوہر پرست ملکہ کی شاہزادے سے یہ گفتگو۔ یا شاہزادے کی یہ عامیانہ گفتگو کہ چلتی ہو کسقدر نازیبا ہے

ملکہ مہر نگار ایک شاہزادے کے یہان کشتی شکستہ ہو کر پہونچی ہے اُسنے بہت تواضع اور خاطر کی ہے اور مستدعی ہوا ہے کہ ملکہ اُس سے شادی کرے۔ جب بہت مصر ہوا تو ملکہ نے یہ فقرے کہے۔ جو بحد عامیانہ ہین، اور ہرگز ایک ایسی عقلمند جلیل القدر شاہزادی کی زبان سے اچھے نہین معلوم ہوتے "جو میری خوشی چاہے تو برس روز کی مہلت دے اس عرصہ مین اگر کوئی ڈوبا ترا میرے وارثون کا پتا ملا"

غرضکہ فسانہ عجائب اسی قسم کے۔ ناموزون فقرون۔ اور جملون سے بھری ہوئی ہے مصنف کو ایک جگہ بھی یہ خیال نہین رہتا کہ وہ کہان کا حال لکھ رہا ہے۔ اور کیسے جملے اُسکے قلم سے نکل رہے ہین۔ کن رسوم کا وہ ذکر کرتا ہے۔ اور کیا اُس کو ذکر کرنا چاہئے۔ غیر مہذب جملونکا طوفان قدم قدم پر امنڈ رہا ہے یہانتک کہ وہ جادوگرنی اور شاہزادے کے حال مین یہ جملے بھی لکھ گئے ہین "یہ کہکے گردن مین ہاتھ ڈالدیا وہ قحبہ تو... بھوکے بیٹھی تھی لپٹ گئی۔ ناچار خاطر افگار اوس تیرہ بخت کا منہ کالا کرکے ہاتھ منہ دہو اُسکے ساتھ سو رہا۔ وہ چرخہ مرانی بدمست پڑتے ہی جہنم واصل ہوئی"۔ اسکے بعد ہم تیسرے جزو کی طرف توجہ کرتے ہین۔ جنمین بعض داستانون مین سرور نے نظم کو نثر کا جامہ پہنا دیا ہے اور میر حسن کی محنت کو خاک مین ملا کر خود اُسکے مالک بن بیٹھے ہین۔ چنانچہ جہان بے نظیر کے پیدا ہونے سے پہلے بادشاہ نے نجومیون سے دریافت کیا ہے وہان میر حسن نے یہ سمان دکھایا ہے

یہ سنکر وہ رمال طالع شناس
لگے کھینچنے زائچے بے قیاس
دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ

لگا دھیان اولاد کا اُس کے ساتھ
جو پھینکیں تو شکلیں گئیں بیٹھ مل
کئی شکل سے دل گیا اون کا کھل

جماعت نے رمال کی عرض کی
کہ ہے گھر مین امید کی کچھ خوشی
بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی

تو ایک ایک نقطہ ہے دو دو خوشی
زن و زوج کی شکل مین ہے فرح
بیاکرمئے وصل کا تو قدح

نجومی بھی کہنے لگے در جواب
کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب
نحوست کے دن سب گئے ہین نکل

عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل
ستارے نے طالع کے بدلے ہین طور
خوشی کا کوئی دن مین آتا ہے دور

نظر کی جو تسدیس و تثلیث پر
تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر

کیا پنڈتون نے جو اپنا بچار
تو کچھ انگلیون پر کیا پھر شمار
جنم پترا شاہ کا دیکھکر

تلی اور بر چھک پہ کرکے نظر
کہا رام جی کی ہے تجھ پر دیا
چندرمان سا بالک ترے ہوئے گا

نکلتے ہین اب تو خوشی کے بچن
نہو گر خوشی تو نہون برہمن
مہاراج کے ہون گے مقصد شتاب

کہ آیا ہے اب پانچوان آفتاب
نصیبون نے کی آپکے یاوری
کہ آئی ہے اب پانچوین مشتری

مقرر ترے چاہئے ہو پسر
کہ دیتی ہے یون اپنی پوتھی خبر
ولیکن مقدر مین کچھ اور بھی

کہ ہین اس بھلے مین برے طور بھی
یہ لڑکا تو ہوگا دے کیا کہین
خطر ہے اسے بارھوین سال مین

نہ آوے یہ خورشید بالاے بام
بلندی سے خطرہ ہے اس کو تمام
نہ نکلے یہ بارہ برس رشک مہ

رہے برج مین یہ مہ چاردہ
کہا سنکے شہ نے یہ اُنکے تئین
کہو جی کا خطرہ تو اسکو نہین

کہا جان کی سب طرح خیر ہے
مگر دشت غربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اسپہ عاشق ہو جن و پری

کوئی اُسکی معشوق ہو استری
کچھ ایسا نکلتا ہے پوتھی مین اب
خرابی ہو اسیر کسی کے سبب

سرور نے اسی پیں اپنی ضرورت کے موافق تراش خراش اور ردو بدل کرکے جان عالم کے پیدا ہونے کے وقت یون لکھا ہے۔ در نجومی۔ پنڈت۔ جفردان۔ حاضر ہوے بہت سوچ بچار کر برہمنون نے عرض کیا۔ مہاراج کا بول بالا۔ جاہ و حشم۔ مرتبہ دوبالا اعلیٰ رہے ہماری پوتھی کہتی ہے۔ بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرمان بلی ہے۔ چھٹا سورج ہے جو گرہ ہے سو بھلی ہے دیگ نیگ کا مالک۔ دھرم مورت یہ بالک رہے"

اسی کے بعد جیسا کہ بدر منیر مین نجومیون نے بینظیر کی آوارگی کا پتہ دیا ہے اسی طرح سرور نے جان عالم کی صحرا نوردی کا مذکور کیا ہے "مگر پندرھوین برس مشتری بارھوین آئیگی سینچر پاؤن پڑے گا" گسیان کی کرپا سے جان کی کھیر ہے۔ بڑی بڑی ہرنی کی سیر ہے"

اسمین شک نہین کہ سرور نے اس داستان کو بہت بڑھا کر اور اپنے قصہ کیموافق بنا کر لکھا ہے مگر یہ سب خیالات مثنوی میر حسن ہی سے لئے گئے ہین۔ اگرچہ الفاظ مین رد و بدل کر دیا گیا ہے۔ اور نثر کی آزادی نے اُن خیالات مین بھی اضافہ کر دیا ہے مگر اصل ماخذ سے کسی طرح انکار نہین ہو سکتا۔ سرور لکھتے ہین۔

"ایک سمت درخت گنجان چشمہ ہائے آب روان دیکھکر جا بیٹھا"

میر حسن بھی اسی عالم مین جبکہ شاہزادہ بدر منیر کے باغ مین پہونچا ہے لکھتے ہین

تھے اک طرف گنجان باہم درخت — کہ بیٹھے ہون جس طرح مشتاق سخت
لگا وان سے چھپ چھپ کے کرنے نظر — درختون سے جون ماہ ہو جلوہ گر

اسکے بعد مین دونون نے اپنے اپنے طرز پر اُس منظر کی الفاظ مین تصویر کھینچی ہے مگر جہان بینظیر نے بدر منیر کو۔ اور جان عالم نے ملکہ مہر نگار کو دیکھا ہے اور ایک خاص عالم طاری ہوا ہے اسکے الفاظ بالکل مل گئے ہین۔ اور یقینی اُسکے موجد میر حسن ہین۔ ملاحظہ ہو

سرور کہتے ہین "یہ تو مدتون کا مسافت کشیدہ دیدہ تھا۔ وہ زمین خجستہ اُنہین بہت پسند آئی"

میر حسن۔ ملی جنس کی اپنے جو اسکو بو — لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سو

یہ صدا جو اہتمام سواری آگے آگے کرتی تھین اونکے کان مین پڑی اور نگاہ جمال جان عالم سے لڑی

میر حسن کہتے ہین جو دیکھے تو ہے اک جوان حسین — درختون کی ہے اوٹ مین مہ جبین
یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا — ہر اک حال سے اُس کے ماہر ہوا

سرور کہتے ہین۔ سب لڑکھڑا کر ٹھٹک گئین۔ کچھ سکتے کے عالم مین سہم کر جھجک گئین۔ کچھ بولین ان درختون سے چاند نے کھیت کیا ہے۔ کوئی بولی نہین ری سورج چھپتا ہے۔ کسی نے کہا غور سے دیکھ ماہ ہے۔ ایک جھانک کر بولی باللہ ہے۔ ایک نے غمزے سے کہا چاند نہین تو تارا ہے۔ دوسری چنکی بجا کے بولی اچھال چھکا تو بڑی خام پارا ہے۔ ایک بولی سرو ہے یا چمن حسن کا شمشاد ہے۔ دوسری نے کہا تیری جان کی قسم پرستان کا پریزاد ہے۔ کوئی بولی غضب کا دلدار ہے کسی نے کہا دیوانیو چپ رہو خدا جانے کیا اسرار ہے۔ ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا خدا جانے تم سب کے دیدون مین چربی کہان کی چھا گئی ہے یہ تو بھلا چنگا ہٹا کٹا مرد وا ہے

اَب دیکھئے میر حسن بالکل یہی تصویر دکھاتے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ سوائے چند الفاظ کے سرور بھی کوئی فرق نہ دکھا سکے

یہ سن ایک سے ایک وان سب کی سب — پھرین برگ گل کی طرح غنچہ لب
جو دیکھین تو شعلہ سا روشن ہے کچھ — درختون کا روشن سا آنگن ہے کچھ
کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا — کسی نے کہا چاند ہے یان چھپا
کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن — کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
لگی کہنے ماما کوئی اپنا کوٹ — ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح سب اُٹھ گیا یہ حجاب — درختون مین نکلا ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا دیکھیو اے ہوا — کھڑا ہے کوئی صاف یہ مرد وا
کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے — کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے

اسکے بعد سرور لکھتے ہین

"سواری جو رُکی۔ ملکہ نے پوچھا خیر ہے" سب نے ملکہ کو بتایا اور ملکہ آگے بڑھی۔ اسی کو میر حسن کہتے ہین

گئی بات یہ شاہزادی کے گوش — یہ سنتے ہی جاتا رہا اسکا ہوش
کہا مین تو دیکھون یہ کہکر اُٹھی — گیا سنسنا جی تو رہ کر اُٹھی
خواصون کے کاندھے پہ رکھ اپنا ہاتھ — عجب اک ادا سے چلین ساتھ ساتھ
کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی — دھڑک اپنے دلکی مٹاتی ہوئی
کئی ہمدمین تھین جو کچھ وہ پڑھین — دعائین وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھین

سرور کہتے ہین "دیکھا ایک جوان رشک مہ پیر کنعان رعنا سرو قامت سہی بالا حسن وخوبی کا در یکتا۔ کاسہ سر سے فرشاہی نمایان بادۂ حسن دلفریب سے معمور ہے۔ دماغ مین کشورستانی ہے رٹھتی جوانی ہے" اس تعریف کو سرور نے بھی طول دیا ہے اور میر حسن نے بھی اور ان دونون داستانون مین خیالات کی یکرنگی ہے۔ الفاظ مین فرق ہے مگر بہت زیادہ فرق نہین۔ بلکہ بعض شعر خود فسانہ عجائب مین پورے پورے نقل کردیے ہین جیسے۔ کہ

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن — جوانی کی راتین مرادون کے دن

آگے چلکر جو مہر نگار اور جان عالم کے وصل کا منظر دکھایا ہے وہ بھی قریب قریب ویسا ہی ہے جیسا کہ بینظیر اور بدر منیر کے ملنے کا حال میر حسن نے دکھایا ہے

باغ کی بہار کا عالم۔ اور جان عالم کے جانے کے بعد باغ کی ویرانی تقریباً وہی ہے جو میر حسن کے یہان ہے۔ اور اسی طرح مختلف داستانین (مثلاً بارات وغیرہ) کا حال میر حسن کا کھینچا ہوا نقشہ ہے۔ الغرض یہ ہے فسانہ عجائب کی اصل حقیقت جس نے اُسکو دنیا مین مشہور کردیا ہے۔

"نقاد"

ایک شاعر کا انجام

مصنفۂ نیاز فتحپوری:۔ ایڈیٹر نگار کا سب سے پہلا افسانہ حسن عشق، حسین تخئیل کی بلندی، زور تحریر، اسلوب بیان اور ندرتِ انشاء کے ایسے ایسے پاکیزہ نمونے موجود ہین جو ساحری کی حد تک پہونچے ہوئے ہین، جوش محبت کے جذبات جس مستانہ پن سے اس تصنیف مین ظاہر کیے گئے ہین اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ فسانہ جناب نیاز کے عنوان شباب کا لکھا ہوا ہے قیمت مع محصولڈاک ۱۲ ار

مینیجر نگار لکھنؤ

مشرقی مآثر

فلکیات و ریاضی مین!!

تاریخ عالم کے زرین اوراق اس امر پر شاہد ہین کہ دنیا کی اور قومون کے مقابلہ مین ہمارے اسلاف تجارتی امور مین بہت زیادہ ممتاز تھے، اُنکی تجارت کا سلسلہ تقریباً دنیا کے ہر گوشہ تک پہونچا ہوا تھا میدان تجارت مین روئے زمین پر کوئی انکا حریف مقابل موجود نہ تھا، اس لئے جب اُنکے تجارتی کاروبار کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگیا، تو اونکو اول، اول بہ تقاضائے ضرورت تجارتی حساب کے اصول و قواعد وضع کرنے کا احساس پیدا ہوا چنانچہ انھون نے سب سے پہلے اس فن کے مبادی اور اصول مقرر کئے، پھر رفتہ رفتہ مختلف زمانون مین مختلف ترقیان کین، سندات و دستاویزات، تحاویل مالیہ، تمسکات، وصولات، حساب فائدہ وغیرہ قسم قسم کے تجارتی حسابات، قیاسات اور اوزان کے نظام کی تعین، ہندسی طریقون سے آراضی کی پیمائش اعداد لکھنے کی ایک مخصوص نوع کا استنباط گنتی کے ستینی نظام کی ایجاد یہ سب ہمارے اسلاف ہی کے ذہن و عقل، غور و فکر کے زندہ جاوید نتیجے ہین، نظام ستینی کے آثار قدیمہ ابتک ہمارے بعض نظامات مین شایع ہین، مثلاً ۶۰ منٹ کا ایک گھنٹہ، ۶۰ سکنڈ کا ایک منٹ، ۳۶۰ درجہ کا ایک دائرہ، ۶۰ دقیقہ کا ایک درجہ، ۶۰ ثانیہ کا ایک دقیقہ، اس کے علاوہ اعداد صحیحہ اور بعض کسور بسیطہ کی وضع بھی انھی کی ذہنی طاقت کا خوشگوار ثمرہ ہے،

یہ تمام حسابات اور یہ تمام طریقہ ان خشتون مین مدون پائے گئے ہین، جن کا ابھی ابھی مابین النہرین انکشاف کیا گیا ہے۔ ماہرین حفریات کا بیان ہے کہ ان آثار قدیمہ کی تاریخ ۳۰۰۰ برس ق۔ م ہے، سنہ ۱۹۲۴ء مین فرانسیسی وفد نے اسی اطراف مین ایک مدرسہ کی بناء کا سراغ لگایا تھا جسکی تاریخ بھی ۳۰۰۰ برس ق م بتائی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدامت کے اس زمانہ مین ہمارے اسلاف تعلیم و تعلم کے مہذب طریقے سے بھی واقف تھے

ان خشتون مین غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ، مسیح علیہ السلام سے تین ہزار برس قبل ہمارے اسلاف ۱-۶۰ کے مربع اعداد کو اس کے مکعبات، جذر مالی کو اچھی طرح جانتے تھے، اس لئے کہ ان اینٹون مین مربع اعداد و مکعبات، اور ضرب و تقسیم کی مکمل جداول موجود ہین، نسبت و تناسب، ہندسہ کے سلسلۂ متصلہ، اور قوۃ ثانیہ کی طرف کمیۃ ثنائیہ کی ترقی وغیرہ کے اصول و مبادی سے بھی وہ لوگ بخوبی واقف تھے، ہندسہ مین انکی معلومات و معارف کا دائرہ البتہ محض بعض ہندسی اشکال جیسے مربع، مستطیل، مثلث، اور دائرہ تک محدود تھا۔ لیکن ان کے معارف ہندسیہ تمامتر سامی تھے، ان کے ہندسی اور میکانیکی معارف کے متعلق سر ولیم ولکوکس نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ لیکن بخوف طوالت ہم اس تفصیل کو قلم انداز کرتے ہین،

علم الفلک مین ہمارے اسلاف کی معرفت کا سلسلہ اعتدال ربیعی کے زمانہ اور اسکی تعیین تک پہونچتا ہے۔ اس لئے کہ انھون نے اعتدال

ربیعی ہی سے اپنا سال شروع کیا، اور پہلے مہینہ کا نام ثور رکھا، اس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگون نے اسوقت یہ تقویم بنائی تھی جب اعتدال ربیعی کے زمانہ مین آفتاب برج ثور کے اندر تھا یعنی اس تقویم کی تاریخ تقریباً ... ۵ برس قبل مسیح ہے) اور انھون نے دائرہ بروج کو بارہ برجون پر تقسیم کیا۔ حرکاتِ سیارات کی تحقیقات کی، مختصر یہ کہ انھین نے سب سے پہلے علم الفلک کے مبادی اور اصول وضع کئے، اس کے نطاقِ معرفت کو وسیع کیا، اوقات و تاریخ، سنین و شہور معلوم کرنے کے لئے جنتری ایجاد کی، معرفت اوقات کے لئے دھوپ گھڑی کا استنباط کیا سال کے فصلون کی تحدید کی، نجوم کو مجامیع اور کوکبات پر تقسیم کیا، ان کے اوضاع اور ان کے اوقات طلوع و غروب کو معلوم کیا، الغرض فن ملاحت اور دریائی سفر کی سہولت کیلئے انھون نے اس فن کو غیر معمولی کاوشون سے بہت زیادہ منقح اور مہذب بنایا

ہم کو معلوم ہے کہ مصریون نے سنہ ۴۲۴۱ ق۔م مین ایک تقویم بنائی تھی، جسمین سب سے پہلے انھون نے سال کے بارہ مہینے، اور ہر مہینہ کے ۳۰ دن مقرر کئے تھے، اور پورے سال مین رسمی تہوارون کیلئے پانچ دن کا اور اضافہ کرکے ۳۶۵ دن کا سال بنایا تھا۔ یہ تمام ایجادات ان کے نظام اعداد، ضبط حساب، دقتِ ارصاد، اور رسوخ معارف کی غیر معمولی ترقی پر دلالت کرتی ہین، ہمارے اسلاف نے ہندسہ بنا، معارف میکانکی مساحت علمی کے اندر جو کچھ ترقیان کین، وہ محتاج بیان نہین ہین، انھون نے دور دراز مسافتون کو طے کرنے کیلئے مستقیم خطوط بنائے، ارتفاع و انحدار کے فرق کی معرفت کیلئے مستوی سطحون کی دقیق طور پر تعیین کی، قدما کی اس قسم کی سب سے بڑی یادگار ہرم اکبر ہے، موجودہ زمانہ کے ماہرین فن نے اس ہرم کو دیکھا، اور فن کی حیثیت سے دیکھا، تو اسکی جوانب کی تعیین مین زیادہ سے زیادہ ۱½ سنٹیمیٹر اور زوایا کی تحدید مین زیادہ سے زیادہ قوس دائرہ کے ۱۲ ثانیہ یا ۱/۲۷ زاویہ قائمہ کی غلطی نکال سکے،

الغرض مشرق مین جو کچھ ہونے کو تھا وہ ہوا۔ پھر یہ تمام علوم و فنون یونانیون کی طرف منتقل ہوگئے، اور انھون نے ایک راسخ علمی اصول اور منطقی نظریات پر انکی از سر نو ترتیب دی، اور ان مین بہت سے ایسے رجال علام اور فلاسفہ کبار پیدا ہوئے جنکی نظیر قدیم یا جدید دنیا مین ملنی دشوار ہی نہین بلکہ قطعاً ناممکن ہے۔ افلاطون، ارسطو طالیس، ارخمیدس، اور اقلیدس جیسی بے نظیر اور باکمال ہستیان سرزمین یونان سے اٹھین جنھون نے بعض اقسام علوم مین کسی مستزید کیلئے کوئی مجال بحث باقی نہ چھوڑی، منطق و فلسفہ کی مملکت کے تو وہ اکیلے فرمان روا تھے، چنانچہ ان فنون مین وہ امام اول شمار کئے جاتے ہین؛

عرب اور اسلام کے مآثر

عرب نے صدر اسلام مین جب میدان ترقی کے اندر قدم رکھا۔ تو فتح و ظفر ان کے ہم رکاب تھے جدھر وہ جاتے مظفر و منصور واپس آتے، چنانچہ تھوڑے ہی دنون مین اطراف و جوانب کے تمام ملوک و سلاطین ان کے زیر نگین ہوگئے اور دنیا کے بیشتر حصہ پر ان کا پرچم لہرانے لگا۔ فتوحات ملکی کا سلسلہ جب ختم ہوا۔ اور انکو کامل فراغت نصیب ہوئی تب وہ علوم و معارف کی طرف مائل ہوئے، اور فلکیات و ریاضی اور علوم طبیعی مین بہت سی یونانی کتابون کا ترجمہ لکھا، ہنود و اعجام کی بہتیری تصنیفات کے اقتباسات شایع کئے۔

عباسی خلفا نے اپنے زمانہ حکومت مین اس علمی حرکت اور فکری نہضت کی ہر ممکن وسائل سے تشجیع کی مختلف مذاہب اور مختلف اجناس کے فاضل علماء کو ترجمہ اور تالیف کی خدمت پر مقرر کیا حتی کہ تھوڑی ہی مدت مین سنسکرت اور یونانی زبان کے تقریباً تمام علوم کا عربی مین ترجمہ ہو گیا اور عربون نے ہندی رقوم مین جو مناسب اور عمدہ اعداد تھے، انکو مہذب بناکر اپنے رقوم مین داخل کیا۔ یہی وہ واقعات ہین جنکی وجہ سے

مغربیوں میں عام طور پر یہ خیال پھیل گیا کہ عربوں نے علوم وفنون کو محض ناقلانہ حیثیت سے نقل کیا ہے۔ خود انکی کمائی کا اسمیں کوئی سرمایہ نہیں
لیکن مستشرقین کی تازہ بحثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عربنے بہت سے جدید امور کا بھی استنباط کیا جو اس سے قبل بالکل غیر معلوم اور مجہول تھے، اس لئے
اس موقعہ پر ہم عربوں کے صرف فلکیات اور ریاضی کے مشہور اور عام مآثر کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں، ناظرین غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں
کہ یورپ کے اس زعم باطل میں راستی وصداقت کا عنصر کہانتک مفقود ہے!!

علم الحساب میں، نظریات اعداد کے اندر عربوں نے بہت کم اضافہ کیا موضوعات کی تبویب، اور ہندی رقوم کی تہذیب میں البتہ انہوں نے
بہت کچھ کوشش کی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اعداد میں صفر کا اضافہ پہلے عربوں ہی نے کیا، اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے پہل صفر کو موجودہ
غایت کے لئے استعمال کیا فرنگیوں نے بھی اس عربی لفظ کو اس معنے میں اپنی زبان کے اندر نقل کیا ہے ——— اس لئے
مرجح بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسر عشری کی علامت خاصلہ کو عربوں ہی نے سب سے پہلے وضع کیا تھا،

علم الجبر کے اصول وقوانین بھی عربوں ہی نے وضع کئے، اور قانونی ونظامی صورتوں سے علامات واشارات جبریہ کام لیا۔ بعض اعداد کا غیر معروف
قوانین وضوابط سے استنباط کیا، علامہ خوارزمی نے سب سے پہلے موجودہ طرز پر معادلہ درجہ ثانیہ کی تحلیل کی، اور اس کے جذر کو مستخرج فرمایا۔
خوارزمی وہ پہلا شخص ہے، جس نے سب سے پہلے اس علم کا نام "علم الجبر والمقابلہ" رکھا، یورپ والوں نے اسی سے اس علم کو نقل کیا ہے۔
عربوں نے سلاسل اعداد یا انکے مجموعات سے بھی بحث کی، جبر وہندسہ کے طریقوں سے بعض معادلات درجہ ثانیہ کی تحلیل پر بھی قادر ہوئے۔
اور انہی نے معادلات جبریہ کی تحلیل ایک بالکل جدید اور سہل اسلوب پر قایم کی، انہی نے یہ نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ دو مکعب عدد کا مجموعہ
مکعب عدد نہیں ہوسکتا۔ اس نظریہ کو انگریزی میں (Fermat) کہتے ہیں، اور انہی نے سب سے پہلے ہندسہ کے بعض قضایا اور عملیات کی تحلیل
میں اسالیب جبریہ سے کام لیا۔ حقیقت میں عربوں کی یہ وہ قیمتی بحثیں ہیں جن پر شہرہ آفاق ڈیکارٹ نے اپنے مباحث عالیہ کی تعمیر کھڑی کی۔
پہلے یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ خود یونانیوں نے ہندسہ کا فن اتنا مکمل کر دیا تھا کہ اسمیں مزید حواشی کا اضافہ کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی اس لئے
اس فن میں عرب کے مشاغل کا دائرہ محض وضع تمارین، اور بعض مشکل مسائل کی تحلیل تک محدود رہا

علم المثلثات اور علم الانساب میں عربوں کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اس لئے کہ انہی لوگوں نے سب سے پہلے مثلثات کے اکثر قضایا اور قوانین (مثلاً
قانون تناسب جیوب، اور قوانین مثلثات کرویہ غیر قائمۃ الزاویہ وغیرہ) کا اکتشاف کیا۔ اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے مثلثات کی اس نوع کی تحلیل کیلئے
ایک عام قانون بنایا۔ اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے قاطع اور اس کے امثال ونظائر کو معلوم کیا، اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے مماس اور قاطع وغیرہ کی نظایر
کے لئے جدولیں وضع کیں، اور انہیں لوگوں نے سب سے پہلے سطح کرہ پر اصول رسم کی حقیقت کا پتہ لگایا۔

عربوں کے فلکی مباحث بہت مشہور ہیں، انہوں نے چاند، سورج اور سیارات کی گردشوں کی تحقیقات کی، اور انکے اوقات کو ضبط کیا، بطلیموس
کے جداول کی تنقیح کی، چاند کی حرکت میں بعض انواع خلل کا اکتشاف کیا۔ اور انہی لوگوں نے خلیفہ مامون کی فرمایش پر سب سے پہلے علمی اور
قانونی طریقہ سے خط نصف النہار کے درجہ کا طول معلوم کیا، عربونکی ذہن وعقل، غور وفکر، دانش وبصیرت کی غیر معمولی اہمیت کا اس سے ٹھیک اور
صحیح اندازہ ہوسکیگا کہ تقریباً آٹھ سو برس پہلے جبکہ یورپ کی علمی دنیا پر جہل ونادانی کی کثیف گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، عربونے جند گاہیں

آسمانی حالات کا مطالعہ کرنے کیلئے قائم کین اور ان جداول کی تصحیح کی جو حرکات قمر کے ساتھ مخصوص تھین، گردش زمین کا حال معلوم کیا، متعدد تجربات کے بعد انھی نے سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا کہ زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہے مختصر یہ کہ فلکیات مین عرب یونانیون سے زیادہ ممتاز ہین، اس لئے عربون نے اپنی خداداد لیاقت سے اس علم کو ایک استقرائی علم بنا دیا، انھون نے یونانیون کی طرح محض نظریات پر اکتفا نہین کی بلکہ نظریات کے ساتھ ساتھ عقلیات پر بھی کافی عبور حاصل کیا

بہر حال! فلکیات و ریاضی مین مشرق نے سب سے پہلے اپنی خدمات جلیلہ پیش کین، زمانہ قدیم مین اسنے سب سے پہلے ان علوم کے اصول و مبادی وضع کئے، اور پھر عصر متوسطہ مین جو ایک مظلم اور تاریک زمانہ گزرا ہے اس نے محض ان اصول و قواعد کے حفظ ہی پر کفایت نہ کی بلکہ اسمین بہت سے اہم ترین حقایق و معارف کا گران ارز اضافہ بھی کیا

ان تمام معروضات کا نتیجہ دوسرے لفظون مین یہ ہے کہ علوم و فنون کسی خاص جماعت یا فرد کی ملک نہین ہین بلکہ وہ، ہر قوم، ہر جماعت اور ہر فرد کی ایک مشترکہ ملکیت ہین، جو شخص اس کے حصول کے لئے جد و جہد سعی و کوشش کرتا ہے وہ اس دولت کو پاتا ہے۔ ہمارا موجودہ تمدن معارف علمیہ کا ایک خوشگوار ثمرہ ہے۔ اور چونکہ یہ معارف مطالب عمران اور مقتضیات حیاۃ پر پورے اترتے ہین، اس لئے اگر ہم عمار عمران مین خوض کرنا چاہتے ہین، تو ہمپر ضروری ہے کہ ہم علمی بحث و تفکیر کے اسالیب پر اپنے ناشئہ جدیدہ کو ضرور سکھین، اس لئے کہ علم ہی درحقیقت ثروۃ کی اصل و اساس ہے، اور امم و شعوب کی ترقی کا اصلی راز، مال اور مال پیدا کرنیوالے رجال ہی مین مضمر ہے،

"بدر اصلاحی"

کلیات و دواوین (اُردو)

دیوان میر حسن دہلوی۔ نہایت درد انگیز کلام ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶ر

دیوان مردان صفی۔ تصوف کا رنگ کوٹ کوٹ بھر دیا گیا ہے۔ ۵ر

کلیات مومن۔ معہ تصاویر و مثنویات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

کلیات ظفر۔ ہر چہار جلد کامل دو جلد۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عا؎ر

دیوان ناسخ۔ استعارات و تشبیہ مین انکا کلام اپنی آپ نظیر ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

کلیات میر تقی میر۔ تعریف فضول ہے کل شعرائے ماضی و حال کے پیشوا مانے جاتے ہین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

کلیات سودا۔ ہجو گوئی کے بادشاہ اور قصیدہ کے استاد۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

کلیات نظیر اکبر آبادی۔ ہر رنگ مین فرد تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

مسٹر رینالڈز کے انگریزی نالون کے ترجمے

فسانہ الہ دین و لیلیٰ: مشہور ناول اسٹار آف منگریلیا کا ترجمہ رنگین داستانون کے ضمن مین بہشت و دوزخ کی سیر کرائی ہے پڑھکر دل دھڑک جاتا ہے۔ مترجمہ منشی امیر حسین صاحب تحصیلدار کاکوری

قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

فریب حسن۔ ناول فاسٹ کا اردو ترجمہ جسمین قصہ کے پیرایہ مین بدکرداریون کے زبون نتائج دکھائے گئے ہین۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

ناول اسرار لنڈن و منیسر کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ جسے باعصمت اور حسین زمانہ لیڈیون کے دلی جذبات کا خاکہ زمانہ کی حیرت انگیز نیرنگیون اور انقلاب کی حیرت انگیز تصویر ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عا؎ر

(مینیجر نگار)

ایک سیاح کی ڈائری

پہلا ورق

"لکھنؤ و لکھنویات"

سوچ سمجھ کر کام کرنے کا مفہوم ہم لوگوں میں عام طور پر یہی ہے کہ کبھی کوئی کام نہ کیا جائے۔ برخلاف اس کے مجھ پر یہ الزام قائم کیا جاتا ہے کہ پہلے کام شروع کر دیتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ:-

نہ ہو تو کیجئے کیا اور ہو تو کیونکر ہو!

اس زندگی میں سب سے پہلی آزادی تو مجھے اسوقت ملی جب میری بیوی نے انتقال کیا۔ صبح کو وہ رخصت ہوئیں، شام کو تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر سیدھا کلکتہ چلا گیا، اس لئے نہیں کہ انکی جدائی کا غم دور ہو جائے بلکہ اس حقیقت کی بنا پر کہ جب آدمی کے بیوی نہ ہو تو سوائے آوارہ پھرنے کے وہ آخر کر ہی کیا سکتا ہے۔ دوسری آزادی مجھے ایکسال کے بعد ملی جب میری دوسری شادی ہوئی ـــــ یہ پہلے ہی طے ہو گیا تھا کہ بعد عقد "وہ" ایام گرما بسر کرنے کو مری چلی جائینگی ـــــ اور میرے لئے قلب کی ایک خاص بیماری کی وجہ سے تمام پہاڑ "لن ترانی" ہو کر رہ گئے تھے ـــــ اسمرتبہ میں نے شمال کا رخ کیا اور سب سے پہلی روانہ ہونے والی گاڑی پر سوار ہو گیا۔ کامل ۱۹ گھنٹہ کے بعد صبح کو جو دفعۃً آنکھ کھلی تو کانپور کا اسٹیشن نظر آیا۔ میں یہاں اتر پڑا منزل مقصود سمجھکر نہیں، بلکہ محض اس خیال سے جسے "دفع دخل" کہتے ہیں۔ دن بھر کانپور کی خاک چھاننے کے بعد جب شام کو اسٹیشن پہونچا تو لکھنؤ جانے والی ریل تیار تھی اور مسافروں کے ہجوم سے تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، معلوم ہوا کہ آج محرم کی ۸ ہے اور یہ سب لوگ وہاں روشنی دیکھنے جا رہے ہیں۔ میں شمسی تاریخوں سے بھی بے خبر رہتا ہوں چہ جائیکہ قمری، اسوقت یہاں "محرم اور لکھنؤ" یہ دو نام سنکر بے اختیارانہ طور پر ایک ڈبہ میں داخل ہو گیا اور شام کو ۷ بجے اس سرزمین میں پہونچ گیا جو اپنی روایات کے لحاظ سے بجا طور پر "کربلائے ہند" کہلائی جا سکتی ہے۔

"یا حسین! وا حسینا!!"

قبل اس سے کہ میں قیام لکھنؤ کے حالات قلمبند کروں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ میرے لئے یہاں کی زیارت کا یہ اولین شرف تھا اور میں نے جو خیالی تصویر یہاں کی اپنے دماغ میں کھینچ رکھی تھی اس کا تعلق یکسر "حسن و غنا" سے تھا۔ یعنی میں سمجھتا تھا کہ لکھنؤ کا ذرہ ذرہ معمورۂ جمال و موسیقی ہے اور رات کی تاریکی میں یہاں بھی وہی نیرنگ حسن و عشق نظر آتا ہے جو کسی وقت عہد عباسیہ میں بغداد کے لئے مخصوص تھا یہاں کی نزاکت جسم و خیال کے واقعات، یہاں کی البیلی تہذیب معاشرت کی حکایات، میں نہیں کہہ سکتا کہ کب سے اور کیوں میرے دماغ میں گونج

رہے تھے، لیکن یہ بالکل یقینی ہے کہ وہ اسقدر کمسن سال ہیں کہ اگر انکی ابتدا "فسانۂ آزاد" کے زمانۂ تصنیف سے قرار دوں جب میں بہت کمسن تھا تو بیجا نہوگا، ممکن ہے آج کوئی نقاد سرشار کے متعلق یہ حکم لگائے کہ اس نے اپنی تصانیف سے جو توہین لکھنؤ کے بلند معیار شرت والونکی کی ہے وہ غداری کی حد تک پہونچتی ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ عنفوان شباب کی دیکھی ہوئی "حسن آرا" سے حریم ناز میں نہ سہی تو "تختۂ بازار" پر ملنے کی خواہش ضرور دل میں پیدا ہوتی ہے

مجھے بالطبع موسیقی سے لگاؤ ہے اور جانعالم نے ٹھمری کی ایجاد سے محمد شاہ رنگیلے کے خیال کو جسقدر رنگین بنادیا اسکا بھی معترف ہوں ہر چند اصول فن کے لحاظ سے لکھنؤ کو کسی نایک کے پیدا کرنیکا شرف حاصل نہیں ہوا، لیکن جو بانکپن یا لکھنؤ کی زبان میں چوچلا) صرف آواز کے اتار چڑھاؤ اور "منیڈ مسک" سے انہوں نے پیدا کیا وہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ لکھنؤ کا گانا لکھنؤ سے باہر میں نے بارہا سنا، لیکن یہ تمنا ہمیشہ قائم رہی کہ وہیں کی فضا کی اگر کوئی خنک سی چاندنی رات اس کے لئے میسر آجائے تو کیا کہنا۔ اس لئے جس وقت میں لکھنؤ کے اسٹیشن پر پہونچا تو میرا خیالی لکھنؤ میرے دل و دماغ میں کلوروفارم کی طرح بسا ہوا تھا اور ہر چند یہ معلوم کرکے کہ یہاں آج کل محرم ہے تھوڑی سی کلفت ہوئی، مگر پھر اس خیال سے کہ یہاں کا یہ زمانہ بھی خاص چیز ہے میں نے اپنے اوپر سیاحت کی تمام مسرتیں حرام کرکے قیام کا ارادہ کرہی لیا

میں جس حصۂ ملک کا رہنے والا ہوں، وہاں محرم کا وجود کوئی معنے نہیں رکھتا، نہ وہاں مجالس مرثیہ کا قیام ہوتا ہے، نہ بزم عزا آراستہ کیجاتی ہے۔ بلکہ کہیں کہیں گھروں میں "ذکر الشہادتین" کے قسم کی کتابیں پڑھکر "یادگار شہدائے کربلا" صرف دلمیں قائم کرلیجاتی ہے، اسلئے میرے لئے لکھنؤ کی شام کا یہ منظر کہ ہر شخص نہایت شوق و مسرت کے عالم میں پوری سج دھج کے ساتھ شاہ نجف چلا جارہا ہے اور وہاں ہزاروں رنگین برقی قمقموں کی روشنی میں اس طرح پر تکلف دعوتیں اڑ رہی ہیں جیسے واجد علیشاہ کی سالگرہ منائی جارہی ہو، بالکل ناقابل فہم معمہ تھا۔ شاہ نجف سے لیکر حسین آباد تک تماشائیوں کا ہجوم اور امامباڑہ کا دلہن کیطرح سجا ہوا ہونا لبریز حوض میں فواروں کا جاری ہونا اور انکا روشنی کے انعکاس سے قوس قزح کی سی کیفیت پیدا کرنا ایک ایسا منظر تھا جس کو دیکھکر ایک شخص بیساختہ کہہ سکتا ہے کہ

ایں خانہ بدیں خوبی آتشکدہ بایستے

لکھنؤ کے محرم کے لئے یہ میرا پہلا جذبۂ شکر گذاری تھا کہ میں یہاں کی فراوانی مسرت میں گھر اور نئی بیوی کی جدائی کو بھی تھوڑی دیر کیلئے بھول گیا

۹ محرم کا سارا دن میں نے مجالس عزا میں شریک ہوکر بسر کیا۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ سوز خوانی کا رواج یہاں سے تقریباً اٹھ گیا ہے یعنی تنہا وہ چیز جو ایک صاحب ذوق کو ان محافل کی شرکت پر مجبور کرسکتی ہے وہی مفقود ہوگئی ہے۔ موجودہ مجالس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن میں صرف مرثیے تحت اللفظ پڑھے جاتے ہیں اور دوسری وہ جنمیں "حدیث خوانی" ہوتی ہے، اول قسم کی محافل کا مقصود زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ مرثیہ گو اپنی شاعری، اپنی مرثیہ گوئی اور اپنی حرکات رقصیہ کی داد لے اور دوسری قسم کی مجلس صرف فن خطابت کی تکمیل کی نمایش ہوتی ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں ناکمل ہیں۔ اول الذکر میں شاعری کا جہانتک تعلق ہے وہ ہر چند لکھنوی ذوق کے لحاظ سے بالکل کمل چیز ہوتی ہے لیکن صحت روایات اور جذبات حماست کے اعتبار سے سارا مرثیہ "غیر معصوم لٹریچر" کی حیثیت رکھتا ہے اور شہادت حسینؑ جس انداز سے اظہار الم کیا جاتا ہے وہ "اہل بیت" سے تو کسی طرح منسوب نہیں کیا جاسکتا، ممکن ہے کہ جانعالم کے مٹیا برج جاتے ہوئے ان کے پسماندگاں نے اس طرح کا شور و شیون کیا ہو۔ رہا پڑھنے کا انداز

سو ممکن ہے کہ وہ کالکادین، بندادین کے نقطۂ نظر سے کوئی خاص فن کی چیز ہو، لیکن میں نے تو بجائے حرکات شجاعت و تہور کے اک قسم کی "نسائیت" ہی ان میں پائی۔

مجالس حدیث خوانی میں کوئی مجتہد یا "مولانا" جسے یہاں کی اصطلاح میں "قبلہ و کعبہ" کہتے ہیں، ممبر پہ جا کر سب سے پہلے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھواتے ہیں، پھر کلام مجید کی کوئی آیت پڑھکر اس کے رموز و نکات بیان کئے جاتے ہیں، احادیث کی تلاوت کر کے انکا مفہوم بتایا جاتا ہے اور آخیر میں تمام وعظ کو کھینچ تان کر فضیلت حسین و شہادت حسین سے متعلق کر کے زور زور سے رانوں پر ہاتھ مار کر چیختے ہیں، روتے ہیں اور سننے والے بھی آنکھوں پر رومال رکھ کر روتے وقت اس طرح بدن کو جنبش دیتے ہیں جیسے کوئی انہیں گدگدا رہا ہے

یہاں کے ایک خاص واعظ کا بیان بھی میں نے سنا اور انکی تاویلات بیجا، انکے دلایل رکیک، انکی توجیہات سخیف، انکے وسایس روائی اور تحریفات تاریخی کو سنکر حیران رہگیا کہ اہل علم میں یہ بھی ہوا کرتا ہے

دریافت سے معلوم ہوا کہ تقریباً پورا سال یہاں اسی نوع کی مجالس ماتم و گریہ وزاری میں بسر ہوتا ہے، حتیٰ کہ مصیبت دور کرنے اور خوشی طلب کرنے کا بھی یہی ایک طریق ہے۔ نسائی طبقہ میں جو "شبستان ماتم" قایم کی جاتی ہے وہ بیشک ایک لطیف پہلو بھی رکھتی ہے، کیونکہ اول تو یونہی کسی عورت کا "مخمل ماتم" بچھانا کم قیامت نہیں ہے، چہ جائیکہ ایک خاص سوگوار لحن سے اشعار پڑھنا اور پھر ساری محفل کا نازک ہاتھوں سے نازک سینوں پر "خانہ برانداز" قسم کی ضربیں لگاتے لگاتے تھک کر ایک "آغوش طلب" انداز سے گر جانا ــــــ حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسی صورت میں "شہادت" کو زیادہ وزنی قرار دے یا اس "خوں بہا" کو

دس کی صبح کو چوک سے ضریح مبارک (میرے نزدیک اسکا اردو ترجمہ زری کافی ہے) کا جلوس نکلنے والا تھا۔ صحیح وقت معلوم نہ تھا اسلئے فرطِ اضطراب نے بیٹھنے نہ دیا اور جلدی وہاں پہونچ گیا۔ لکھنؤ کا چوک اپنی تنگی، مرطوب فضا اور غیر صالح ماحول کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی معیوب حصہ شہر کیوں نہ ہو، لیکن حقیقی لکھنؤ اسی حصۂ آبادی کا نام ہے اور قدیم لکھنوی معاشرت کے نمونے صرف یہیں دیکھے جا سکتے ہیں، باوجود سڑک کی تنگی و تاریکی کے یہاں ایک خاص قسم کی عطریت محسوس ہوتی ہے اور نبض میں اک عجیب قسم کا ہیجان پیدا ہو جاتا ہے

یہاں کے اکثر بالاخانے اس مخصوص جنس سے آباد ہیں کہ اگر اس عنصر کو انسانی آبادی سے علیحدہ کر دیا جائے تو دنیا میں سوائے مسجدوں کے اور کچھ نہ رہ جائے۔ معلوم نہیں اڈیٹر نہست اسے "حسن رہگذر" میں شامل کرتا ہے یا نہیں لیکن چونکہ میں وجوب کا قایل ہوں اس لئے اکبر کے اس فلسفہ پر کاربند ہو کر کہ

اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

بلا تشبیہ "ارنی گوئے کوہ طور" کی طرح نگاہ شوق سے ان پردوں میں رخنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوا جو اسوقت بالاخانے پر پڑے تھے آگے بڑھا اور ایک ایسے مقام پر پہونچ گیا جہاں سے ایک سڑک مغرب کی جانب جاتی ہے۔

میں تھک کر یا ہجوم سے گھبرا کر سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد جو دفعۃً آنکھ اٹھی تو دیکھتا کیا ہوں کہ غالب کی پوری مثنوی "چراغ دیر" مجسّم سامنے موجود ہے

سامنے بالاخانے پر ایک تنی ہوئی سفید چادر کی اوٹ سے دو ساحر مگر حزین و سوگوار آنکھوں نے مجھے ایک بار غلط انداز طور پر دیکھا اور میرا آسمان و زمین سب کچھ اپنے ساتھ لے گئیں، لکھنؤ کا یہ پہلا اور آخری بدیعہ جمال تھا جسنے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو نظیری کے ساتھ اسکے محبوب نے کیا تھا اور جس پر وہ بے اختیار ہو کر کہہ اٹھا تھا کہ :-

ازکف نمی دہد دل آساں ربودہ را

دیدیم زور بازوے ناآزمودہ را

معلوم ہوا کہ باندازۂ جمال و نزاکت وہ غنا و موسیقی کی بھی مالک تھی اور آنکھوں سے زیادہ افسوں اس کی آواز میں ہے۔ اس خبر نے میرے حواس میں اور زیادہ تعطل کی سی کیفیت پیدا کر دی، اور میں کھڑا ہوا اس عالم اضطرار میں سوچ رہا تھا کہ کوئی اہل ملے تو لکھنوی شاعری کے انداز میں اس سے یہ تو پوچھ لوں کہ میرے دل کا مزار کس کی سایۂ دیوار میں بن رہا ہے، کہ اتفاق سے ایک ضعیف عورت جس کے ہاتھ میں چھوٹی سی تسبیح بھی تھی، میرے پاس سے گذری اور میری "چشم نگراں" کو دیکھ کر بولی کہ "میاں آج کے دن تو اوپر نہ دیکھو"۔ میں نے باادب عرض کیا کہ "بڑی بی اُن سے بھی تو کہو کہ آج کے دن نیچے نہ دیکھیں"۔ اسنے غضب آلود چتون سے مجھے دیکھنا شروع کیا، لیکن زری کے ساتھ جو ہجوم بڑھتا آرہا تھا اس نے مجھے بچا لیا اور پھر خبر نہیں کہ وہ کہاں غائب ہو گئی

زری کا جلوس کیا تھا؟ اس کا بیان اتنا ہی مہمل ہو گا جتنا اس کا اطناب، چند ہاتھی، چند اونٹ، کچھ جھنڈیاں، متعدد بینڈ، دو چار تعزیے اور ایک گھوڑا مع خون آلود ساز و یراق کے۔ یہ تھی زری اور اسکی جملہ کائنات۔ میں ان چیزوں کے فلسفہ سے واقف نہیں جس کو ضرورت ہو وہ اسی تاریخ کا ہمدم دیکھے جس میں جناب قمی جرنلسٹ نے نارہ سے لیکر نگارہ (نقارہ) تک ہر ایک کی ابتدا و درجہ بالغ نظری سے کام لے کر تحقیق حد کے دریا بہا دئیے ہیں

یہاں صبح سے دوپہر تک شیعوں کے تعزئے نکلتے ہیں اور دوپہر کے بعد سے سنیوں کے۔ چونکہ دل و دماغ اک خاص خیال سے متاثر تھا اس لئے زری دیکھنے کے بعد میں نے آج کے تماشہ کو ختم کیا اور کربلا بھی نہ جا سکا، حالانکہ یہاں کا خونین ماتم، یہاں کی واویلا دیکھنے کی چیز ہے۔

اس کے بعد میں نے چند دن یہاں کے اکابر سے ملنے اور یہاں کی مجالس شعر و سخن کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اور قیام کیا۔ میں کس کس سے ملا، ان کو کیسا پایا اور انکی شاعری کے متعلق کیا رائے قایم کی۔ اسکی تفصیل آپ آیندہ ملاحظہ فرمائیں گے

ایک سیاح

ہمیشہ یاد رکھئے

(۱) خط و کتابت میں نمبر خریداری درج کرنا (۲) جوابی امور کیلیے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا (۳) ۲۰ تک پرچہ نہ پہونچے کی اطلاع کرنا (۴) منی آرڈر کے کوپن میں نمبر خریداری درج کرنا۔

(منیجر نگار لکھنؤ)

منطوقات ناطق

یا

جناب ابو العلاء ناطق لکھنوی کے الہامات شعری

بلکہ

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

"آپ نے اگست کے ملاحظات مین لکھنوی و غیر لکھنوی نزاع کو محو کرنے کے لئے جو مصلحانہ انداز اختیار کیا ہے وہ آپ کی نیت کے لحاظ سے یقیناً بہت مبارک چیز ہے، لیکن میری سمجھ مین نہین آتا کہ اس طرح آپ اُس احساس کو کیونکر مٹا سکین گے جو اس وقت ساری دنیا مین لکھنوی شاعری کے بے کیف و بے مزہ ہونے کے متعلق قائم ہو گیا ہے اور یہی احساس اصل بنیاد تمام جھگڑون کی ہے

آپ نے جو اشعار بعض شعراء حال لکھنؤ کے درج کئے ہین، وہ یقیناً بُرے نہین ہین لیکن تعجب ہے کہ آپ نے مبصر مین دوسرون کے شایع شدہ اشعار تو انتخاب کر لئے اور خود مدیر مبصر کی غزل کو چھوڑ دیا مین نے ان کی ایک نہایت ہی معرکۃ الآرا غزل پر ہلکی سی تنقید کی ہے جو پیش کرتا ہون۔ اگر آپ کی مصلحانہ روش اجازت دے تو شایع فرما کر ممنون کیجئے، اس سے مقصود صرف یہ سوال ہے کہ کیا لکھنوی شعراء کوئی ایسی ہی درخشان مثال "حسنِ شاعری" کی غیر لکھنوی شاعرون مین پیش کر سکتے ہین؟۔

اگر نہین تو پھر اُس فرق مراتب کو مٹانے والے آپ کون ہین جسے خود خدا نے تخلیق ذہن و دماغ کے وقت ازل ہی مین پیدا کر دیا تھا۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اسباب اختلاف مین سے ایک نہایت ہی ضعیف سبب کو سامنے رکھ کر پند و نصیحت شروع کر دی حالانکہ حضرات لکھنؤ کو لوگون سے عناد رکھنا اس بنا پر نہین ہے کہ ہم کیون اُن سے اچھا شعر کہتے ہین بلکہ زیادہ تر اس لئے ہے کہ ہم کیون آپ آپ کو "مومن" کہتے ہین پھر جب ہم ان کی نگاہ مین مومن ہی نہین تو آپ کا "کل مومن اخوۃ" کا درس دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ بہر حال مین اپنی تنقید پیش کرتا ہون"

ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ دنیا مین شاعر ہونا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی گناہ ممکن نہین لیکن ان کا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہ ہوا کہ ایک گناہ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص باوجود شاعر نہ ہونے اپنے آپ کو شاعر سمجھے اور بہ جبر اپنے آپکو

شاعر تسلیم کرائے۔

پھر اس جُرم کی حیرتناکی اسی جگہ ختم نہین ہوجاتی، بلکہ اس سے آگے اور بڑھتی ہے یعنی یہ کہ ایسا شاعر کبھی کبھی اپنے آپ کو استاد بھی کہتا ہے شاگردون کی ایک جماعت بھی پیدا کر لیتا ہے اور اپنی تخریب کو اصلاح، اور فساد کو گون کے نام سے موسوم کر کے مشاعرون مین "باندازِ مغانہ" غزلین پڑھتا ہے، اور رسایل مین "یہ شیوۂ حکیمانہ" اُن کی اشاعت بھی چاہتا ہے ——— شیوہ و انداز ایمان رانگر!!

ممکن ہے کہ کسی وقت کوئی اللہ کا بندہ تمام ایسے متشاعرین کے حالات مرتب کرے، اس لئے مین یہ مضمون ابھی سے بطور بنیاد و تقریب (مقدمہ و تمہید) تحریر کئے دیتا ہون اور اُس سے بزور سفارش کرتا ہون کہ جب کبھی وہ اس مفید تالیف کی طرف توجہ کرے تو جناب ابو العلاء الناطق لکھنوی کو نہ بھول جائے کیونکہ میرے نزدیک جو مرتبہ میر کو شعراء مین حاصل ہے وہی جناب ناطق کو غیر شاعرون کی جماعت مین حاصل ہے بلکہ اگر جناب ناطق اجازت دین تو انھین کے اسم گرامی و تخلص سامی سے اس کو معنون کر دے

بحمد اللہ مجھے جناب ناطق اور ہر ایسے شخص سے جو اپنے آپ کو شاعر کہتا ہے براہ راست ذاتی شناسائی نہین ہے، لیکن چونکہ رسایل و جراید کے مطالعہ کا مجھے مرض ہے اور اس سلسلہ مین رطب و یابس سبھی کچھ نگاہ سے گزر جاتا ہے اس لئے بغیر کسی سعی و کاوش کے مجھے معلوم ہے کہ جناب ناطق لکھنؤ کے ایک رسالہ مبصر کے مدیر اعزازی ہین اور گاہے گاہے اپنے تبرکات شاعری دوسرے رسالون کو بھی تقسیم فرما دیتے ہین۔ چنانچہ حال ہی مین لکھنؤ کا ایک دوسرا رسالہ "خضر راہ" ناطق صاحب کے عطا کردہ "جرعۂ آب حیات" کو لیکر موصول ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جناب ناطق کے "منظوقات" کی داد دینا اس دنیا کے اندر تو کسی سے ممکن نہین، عالم برزخ مین اس کا امکان ہو تو ہو

غزل مین تغزل سے ایسی صاف بیزاری، کیفیت عشق و محبت سے ایسا مکمل گریز، حلاوت و شیرینی سے ایسا سخت تبرّا، اور باوجود بامعنی الفاظ فراہم کرنے کے ہر ہر شعر کو صد گونہ اہمال کی صورت مین پیش کرنا۔ واقعہ یہ ہے کہ

"این سعادت بزور بازو نیست"

لوگ کہتے ہین غزل نام ہے صرف حکایت محبت کا، جذبات عشق کی صحیح ترجمانی کا، سادگی بیان کا، بیساختگی کا اور ہر اُس کیفیت کے بیان کا جو مطالعۂ حسن سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ اس وقت کا "شاعر اعظم" استاد الامم، ادامہ اللہ بالشعر و الطب و الحکم" اس امر کا اعلان کر رہا ہے کہ غزل نام ہے صرف حکایت تنفر کا، جذبات کراہت کے ترجمانی کا، ژولیدگی بیان کا اور ہر اس کیفیت امتلا کا جو ایک مکروہ شے کے مطالعہ سے پیدا ہوتی یا ہو سکتی ہے

جناب ناطق کی حسین غزل کو دیکھ کر مین اس نتیجہ پر پہونچا ہون وہ اُن کی نہایت ہی معرکۃ الآرا فکر ہے اور کہا جاتا ہے کہ جس وقت الہ آباد کے مشاعرہ مین اس کو پڑھا گیا تو ساری محفل ایک خاموش اضطراب مین مبتلا تھی ممکن ہے کہ جناب ناطق کے بدخواہ اس کو "داد نہ ملنے" سے تعبیر کرین، لیکن ممکن ہے یہ سب کچھ اس "جلوۂ جانانہ" اور "نطق سحر کارانہ" کا نتیجہ رہا ہو جو بعض اوقات "امتلاء معدہ" کے بعد عالم خواب مین ایک خاموش کابوسانہ تشنج بھی پیدا کر سکتا ہے۔

اسقدر تمہید کے بعد یقیناً آپ بے چین ہونگے کہ اس غزل کو سنیں لیکن میں دفعتہً ساری غزل آپ کے سامنے پیش نہیں کرونگا بلکہ ایک ایک شعر سناؤنگا کیونکہ ممکن ہے آپ اس کو دیکھ لینے کے بعد میری تنقید پڑھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کریں اور اس طرح میری محنت اکارت جائے۔ مطلع ملاحظہ ہو۔

قطرے نہیں حباب میں دل ہیں نقاب راز میں ۔۔۔ چند حقیقت آشنا غرق ہوئے مجاز میں

اس شعر کے سننے کے بعد میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ میں کیا کیفیت پیدا ہوئی، لیکن مجھ پر جو عالم طاری ہوا وہ ضرور مجھے معلوم ہے، یعنی یہ کہ اتنے خوبصورت الفاظ اس سے زیادہ بے معنی طور پر آج تک کوئی مجتمع نہیں کر سکا۔ قطرہ، حباب، نقاب، حقیقت، مجاز علٰحدہ علٰحدہ کیسے صاف و پاکیزہ الفاظ ہیں، لیکن شاعر کے کمال کو دیکھئے کہ ”بیک گردش قلم“، ”نادر و نادری“، دونوں کا صفایا کر دیا۔ اچھا اب آئیے ”بطن شاعر“ کو بھی دیکھ لیں شاید کوئی مفہوم وہاں سے دستیاب ہو سکے۔ فرماتے ہیں

حباب کو حباب نہ جانو بلکہ وہ مجموعہ ہے قطروں کا

پہلی تشبیہ نقاب راز میں چھپے رہنے والے ”دلہا“ سے دی ہے اور دوسری مجاز میں غرق ہو جانے والے ”حقیقت آشناؤں“ سے ایک شخص اس کے سننے کے بعد کہہ سکتا ہے کہ اس شعر میں تغزل کی کیا بات ہے، کونسی کیفیت، یا سرشاری محبت اس سے ظاہر ہوتی ہے، لیکن یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ اس شعر میں حکیم صاحب نے صرف حباب کی حقیقت سے بحث کی ہے جس کا تعلق طبیعیات سے ہے نہ کہ عشقیات سے اور اس میں کلام نہیں کہ حباب کی کُنہ و حقیقت دریافت کرنے میں ضرور انھوں نے عالمانہ تفتیش سے کام لیا ہے، کیونکہ دنیا اس وقت تک یہی جانتی تھی کہ حباب تو نیم قطرہ سے بھی کم صرف اک ”کیفیت نم“ کا نام ہے مگر حکیم صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اس آتشی شیشہ میں بہت سے قطروں کا عرق کشید کیا جا رہا ہے حیرت و افسوس ہے کہ اس فاضلانہ انکشاف پر ۱۹۲۸ء کا نوبل پرائز متعلق بہ طبیعیات حکیم صاحب کو نہیں ملا

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اب اس شعر کی دوسری معنوی خوبی ملاحظہ ہو

دعویٰ یہ ہے کہ حباب میں قطرے نہیں ہیں، پھر کیا ہے؟ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ نقاب راز میں چھپے ہوئے دل ہیں یوں سمجھ لو کہ مجاز میں غرق ہو جانے والے چند حقیقت آشنا ہیں۔ اس جواب کا ثبوت طلب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب بدبخت حقیقت آشنا نقاب راز میں چھپنے کے باوجود بھی مجاز میں غرق ہوتے والے پائے جاتے ہیں تو اصول طبیعیات سے یہ دعویٰ اقلیدس کے بدیہیات میں داخل ہو کر ویسی ہی تلخ حقیقت بنجاتا ہے، جیسے ریاح یا سوری کے تکاثف سے امعاء مستقیم کا تشنج یا صداع صدغین۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو:۔

ایک بھی ہم سبق نہیں مدرسۂ نیاز میں ۔۔۔ زخم ہیں سب کے مختلف شرح نگاہ ناز میں

آپ جی میں کہتے ہونگے کہ ایسے مطلع کے بعد کیا کوئی شعر اس پایہ کا نکل سکے گا، لیکن آپ کو خبر نہیں کہ حکیم صاحب کا دماغ ایک ایسا عجوبہ زار ہے کہ اگر مدۃ العمر وہ شب و روز سوائے غزلگوئی کے اور کچھ نہ کریں تو بھی ان کے ”یہ جواہر ریزیاں“ کم نہ ہوں

چنانچہ یہ دوسرا شعر ملاحظہ ہو، کیا مطلع سے کم درجہ رکھتا ہے۔ وہی حکیمانہ تیور، وہی رندانہ ٹھاٹ، وہی فلسفیانہ بے کیفی

چندے آفتاب چندے ماہتاب، ایک کو چھپایئے دوسرے کو نکالئے۔ کیا ممکن ہے کہ سامع کی توجہ کسی اور طرف ہٹ جائے۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ مطلع مین حکیم صاحب نے طبعیات کے ایک معمہ کو حل کیا تھا اور اس مین ایک وسیع المطالعہ انسان ہونے کی حیثیت سے انھون نے ایک نئی کتاب کے وجود کی خبر دی ہے جس کا نام ”نگاہ ناز“ ہے۔ اس کتاب کے موضوع پر حکیم صاحب نے کوئی بحث نہین کی ہے بلکہ صرف اس کے دقیق و دشوار ہونے کا حال اس طرح بیان کر دیا ہے کہ اس کی شرح و تفسیر سے جو مدرسۂ نیاز مین پڑھائی جاتی ہے ہر طالب علم اک نیا اثر زخم کی صورتین حاصل کرتا ہے۔ یعنی اگر کسی کا زخم مستطیل ہوتا ہے تو دوسرے کا مربع، کسی کا دایرہ دار ہوتا ہے تو کسی کا مثلثی اور اگر یہ کہا جائے کہ ”اختلاف زخم“ ”اختلاف کیفیت“ کے مفہوم مین مستعمل ہوا ہے تو پھر اس کا تصنع یقیناً تنقید سے بے نیاز ہے

تیسرا شعر :-

پردہ کی رسم و راہ ہے اپنے نیاز مند سے ورنہ حجاب کو کہان دخل حریم ناز مین

اس شعر مین بھی ایک جدید اکتشاف ہے اور وہ یہ کہ پردہ حریم ناز مین نہین ہوتا بلکہ ”حسن لب بام“ کے لئے مخصوص ہے۔ اگر حریم کے نحوی معنی پوشیدہ یا پس پردہ کے ہین تو ہوا کرے، ناطق صاحب کی انشا مین حریم نام ہے ”اس مینا بازار“ کا جس مین داخل ہونے کی شرط اولین پردہ و حجاب کا اٹھا دینا ہے۔ مفہوم اور تغزل کے لحاظ سے جو مرتبہ اس شعر کا ہے، اس کے اظہار کی ضرورت نہین

چوتھا شعر :-

حلقۂ زلف کی گرہ کھل ہی گئی اگر تو کیا قید ہے میری مسلک سلسلۂ دراز مین

یعنی لوگ سمجھتے تھے کہ حکیم صاحب اس کے حلقۂ زلف مین محبوس نہین اور اسکے گرہ کھلنے کے بعد وہان سے نکل بھاگین گے۔ اس خدشہ کو انھون نے رفع کیا ہے کہ ایسا نہین ہو سکتا کیونکہ ان کی قید سلسلۂ دراز سے متعلق ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ سلسلۂ دراز کس چیز کا ہے، سو اس کی صراحت اس لئے نہین کی گئی کہ شعر صاف ہو جاتا اور اس صنعت سے نکل جاتا جو اس غزل مین ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مسلک کے بعد لفظ مین کا استعمال بھی قابل غور ہے۔ ممکن ہے فصحائے لکھنؤ یونہی بولتے ہون۔

پانچوان شعر

شکل حقیقت اب کے ہو اور کسی دل پہ نقش صورت مستقل نہین آئینۂ مجاز مین

یہ شعر حکیم صاحب کا اس غزل کی جان ہے، اور مخصوص طور پر اس دعوی کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ ساری دنیا کے علما و تاویل جمع ہو جائین تو بھی اس کے معنی پیدا نہین کر سکتے۔ اگر آئینۂ مجاز مین کوئی صورت مستقل طور پر مرتسم نہین ہو سکتی تو شکل حقیقت حکیم صاحب کے دل کے بجائے کسی اور کے دل پر کیون نقش ہو۔ وہ کیون اس سے خایف ہین کیا انکا دل صرف آئینۂ مجاز ہے جس مین شکل حقیقت مستقلاً قائم نہین ہوتی۔ غالباً یہ کوئی خاص لاہوتی یا ناسوتی معمہ ہے جسکو ہم ہی نہین سمجھ سکے، حکیم صاحب غریب کیا سمجھین گے

چھٹا شعر

مسلک دید حل ہو سر در کائنات ہے وہ جو لگی تھی طور پر آکے بجھی حجاز مین

مسلک کا حل ہونا بالکل نئی بات ہے۔ معمہ حل ہوتا ہے، دواؤن مین موتی حل ہوتا ہے، مشک وعنبر حل ہوتا ہے، لیکن، مسلک شاید علم اقتصادی کی کوئی نئی دریافت ہے کہ اس سے قبل کسی کو اس کا حل ہونا معلوم نہین ہو سکا تھا اگر حل ہونا حکیم صاحب نے واضح ہونے کے معنی مین لکھا ہے تو یہ اور ایک معمہ ہے جسے صرف جناب ناطق ہی کے گرہ کشا ناخن حل کر سکتے ہین

ایک اور شعر ملاحظہ ہو

سجدہ مین سر اگر گیا پھر نہ اٹھیگا تا ابد　　قید نہ رکھئے وقت کی میرے لئے نماز مین

اس شعر مین محض یہ خصوصیت قابل داد ہے کہ حکیم صاحب ابھی تک اپنے سجدہ یا نماز سے متعلق صرف گفت وشنود مین مصروف ہین اور معاملہ ابھی تک طے نہین ہوا۔ اصل جھگڑا یون شروع ہوا کہ حکیم صاحب نے (شاید نا وقت) کہا کہ مین سجدہ کرنا چاہتا ہون، جواب ملا کہ یہ بیوقت کی شہنائی کیسی۔ جو اوقات مقرر ہین ان مین سب کے ساتھ تم بھی سجدہ کر لیا کرو، اسپر حکیم صاحب نے فرمایا کہ مین اگر سجدہ کرنے پر آگیا تو حشر تک سجدہ ہی کرتا چلا جاؤنگا اور حشر تک سر نہ اٹھاؤنگا اسلئے میرے لئے وقت کی تعیین نہ کیجئے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا شعر سے ظاہر نہین ہوتا۔ لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ انھین اجازت اس کی نہین ملی، ورنہ ظاہر ہے کہ انھین تبصرے کے ادارت کی فرصت کہان ملتی اور بجائے سربسجود رہنے کے وہ ہر وقت "مایل بہ قعود" کیون رہتے۔

اس شعر کی بنیاد صرف لفظ اگر پر قایم کی گئی ہے اور یقیناً یہ شاعرانہ معجزہ ہے کہ صرف ایک لفظ سے ایسے ایسے غوامض انھون نے اس شعر مین پیدا کر دیئے

اب جو نفس مین ہے خلوص نالہ مین کب اثر یہ تھا　　پردہ کوئی نہین رہا دل کے شکستہ ساز مین

یہ شعر بھی چند در چند عجائب فن اپنے اندر رکھتا ہے، پہلے مصرعہ کی اگر نثر کیجائے تو اصولاً اسکو یون ہونا چاہئے کہ "اب جو خلوص نفس مین ہے وہ نالہ مین کب تھا" اسطرح لفظ اثر بالکل بیکار ہو جاتا ہے اور اگر اس کی نثر یون کیجائے:۔

"نالہ مین کب یہ اثر تھا جو اب نفس مین ہے" تو لفظ خلوص زاید قرار پاتا ہے۔ مگر جناب ناطق نے دونون لفظ رکھ کر گویا یہ بات پیدا کی کہ جس لفظ کو جی چاہے نکال کر معنے پیدا کر لیجئے اور یہ پہلی نمایش فن ہے۔ دوسرے مصرعہ مین متعدد مسایل طے کئے گئے ہین۔ ایک یہ کہ ساز ٹوٹ جانے کے بعد اگر صرف پردے رہجائین تو موسیقی پیدا ہو سکتی ہے، لیکن اس کا اثر نہین ہوتا۔ دوسرے یہ کہ جب شکستہ ساز کے پردے بھی غائب ہو جائین تو موسیقی پھر عود کر آتی ہے اور پوری قوت کے ساتھ

یہان یہ شک وارد ہو سکتا ہے کہ اگر اس شعر مین دل کو واقعی شکستہ ساز سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس مین پردے کس چیز کے ہونگے اور اگر پردہ بہ معنی حجاب لیا گیا ہے تو دل کا ساز ہونا کیا؟ لیکن یہ اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ اہل لکھنؤ جب ایہام کی شاعری پر آجاتے ہین تو وہ اجتماع ضدین کو بھی حسن شاعری قرار دیتے ہین چہ جائیکہ اہمال

زخم عدو نہ دیکھئے آپ نگاہ ناز سے　　لوگ کہین گے داغ ہے دامن پاکباز مین

یہ شعر بالکل لکھنوی ساخت کا ہے کہ نگاہ مین اس کی وسعت کے لحاظ سے دامن پیدا کیا گیا اور جب اس مین دامن پیدا ہو گیا تو

معمولی کپڑے کے دامن کی طرح اس کو خون عدو سے داغدار بھی کر دیا۔

علاوہ اس کے پہلے مصرعہ کا دوسرا ٹکڑا بالکل بیکار ہے۔ اگر "نگاہ ناز سے" کو حذف کر دیا جائے تو معنی مین کوئی سقم پیدا نہین ہوتا لیکن اگر یہ کہا جائے کہ نگاہِ ناز کی تخصیص و تعیین ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے دامن نگاہ کی داغداری ثابت نہین ہو سکتی، تو پھر سوال یہ ہو گا کہ محبوب کی وہ کونسی نگاہ ہے جس کو عاشق عدو کے لئے گوارا کر سکتا ہے اور جس سے دامن پاکباز آلودہ نہین ہو سکتا

ناطق سوختہ جگر دل پہ تو ہات رکھ کر ذرا　　ایسی ہی کچھ چمک سی تھی نالۂ جانگداز مین

ہر چند اس شعر مین مفہوم پیدا کرنے کے لئے حکیم صاحب نے غیر معمولی مسیحا نفسی سے کام لیا، لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے اول تو دل پر ہات رکھنے سے چمک کا احساس ہونا کیا معنی، ہات رکھ کر دھڑکن تو ضرور محسوس کیجا سکتی ہے، لیکن چمک دیکھنا تو آنکھ کا کام ہے نہ کہ ہات کا اور اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی یہ بات سمجھ مین نہ آئی کہ اگر دل پر ہات رکھنے سے نالۂ جانگداز کی سی چمک محسوس ہوتی ہے (حالانکہ یہ مسئلہ بجائے خود حل طلب ہے کہ نالۂ جانگداز مین چمک کیون ہو) تو پھر نتیجہ کیا، یعنی اگر ناطقِ سوختہ جگر کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ دل کی چمک اب اس خطرناک حد تک پہونچ رہی ہے جسے نالۂ جانگداز کہتے ہین تو سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ زمانہ ماضی کا نالۂ جانگداز کیا سوائے دل کے کسی اور مقام سے نکلا تھا اور اگر یہ نہین تو پھر دل کی چمک سے خبردار کرنا بیکار ہے

اس غزل مین دو شعر اور ہین:۔

اس کی جبین پہ اس لئے آکے شکن مچل گئی　　سجدہ کو ناز کیون ہوا ناصیۂ نیاز مین

جینے نہ دے اگر جیون، مرنے نہ دے اگر مرون　　مرگ و مسیح دونون ہین پیکر چارہ ساز مین

پہلا شعر بے عیب ہونے کی حد تک پھیکا و بے مزہ ہے اس لئے اعتناء نہین کیا گیا اور دوسرے مین چونکہ لفظ پیکر کی ضرورت استعمال سے زیادہ اور کوئی امر بحث طلب پیدا نہین ہوتا اس لئے مرگ و مسیح مین سے مرگ ہی کا انتخاب اس کے لئے موزون سمجھا گیا۔

یہ ہے ایک لکھنوی (استاد) شاعر کی غزلگوئی کا رنگ، جس پر اہل لکھنؤ کو ناز ہے اور جس پر اعتماد کر کے وہ دعوائے "انا ولا غیری" کا دم بھرتے ہین۔

"طوشا انجل"

(**نگار**) یہ مضمون جس مقصد کے ساتھ لکھا گیا ہے، اسے لکھنے والے نے خود ہی ابتدائی سطرون مین ظاہر کر دیا ہے اور اگر مجھے اس مسئلہ کو اگست کے ملاحظات ہی کے ساتھ ختم کر دینا ہوتا تو شاید مین اس کی اشاعت مناسب نہ سمجھتا، لیکن مین چاہتا ہون کہ اس باب مین مخالف و موافق دونون خیالات معلوم کر کے کسی نتیجہ پر پہونچون اور اس کا ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ نگار کے چند صفحات کچھ دنون کے لئے اس بحث و نزاع کے لئے مخصوص کر دیئے جائین

مین اپنی رائے اس تنقید کے متعلق محفوظ رکھنا مناسب سمجھتا ہون، لیکن مین تنقید نگار کے اس دعوی کو کبھی تسلیم نہین کر سکتا کہ غیر لکھنوی شاعرون کے کلام مین کوئی ایسی غزل پیش نہین کیجا سکتی (اگر ناطق صاحب کی یہ غزل واقعی بقول نقاد لغو و مہمل ہے) اور مین اس چیلنج کو نہایت ہی نارو اجسارت سے تعبیر کرونگا

دوسرا دعویٰ (ضمناً) یہ کیا گیا ہے کہ ساری دنیا لکھنوی شاعری کی طرف سے بدظن ہے۔ مین اسکے ماننے کیلیے بھی طیار نہین، بلکہ مین تو علی الرغم یہ کہتا ہون کہ اب بھی اک بڑی جماعت انھین لوگون کی ہے جو "لکھنؤ اسکول" کی شاعری پر سردھنتے ہین اور "دہلی اسکول" کو پسند نہین کرتے۔

تیسری بات اور ہے جو یقیناً زیادہ توجہ کی مستحق ہے یعنی وہی "مومن" اور "غیر مومن" والا قصہ، واقعہ یہ ہے کہ میرا ذہن بھی اس طرف منتقل نہ ہوا تھا کیونکہ اس خصوص مین میرا جو مشرب ہے وہ کسی سے مخفی نہین اور میرے نزدیک نوع انسانی مین اس قسم کی تفریقات پیدا ہوجانا انتہائی بدنصیبی ہے۔

بہرحال مین ابھی تک یہ ماننے کے لئے آمادہ نہین کہ اہل لکھنؤ کی خلش کا یہ سبب ہے اور اگر ہو تو بھی دوسرون کی تنگ نظری کا جواب تنگ نظری سے دینا کب جائز ہے۔

نیاز

علم الکیمیا کا ایک حیرت انگیز معجزہ

کایا پلٹ ہیر آئیل

کہنے کو صرف یہ تیل ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے۔ یہ تیل نہایت قیمتی اور نادر الوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزا سے جدید اصول پر تیار کیا گیا ہے اور جسکا تجربہ اڈیٹر نگار اور ملک کے بعض نامور حضرات اور ڈاکٹر کرچکے ہین۔ گھر مین اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کردینا ہے۔

(۱) اگر چندیا کے بال صاف ہوگئے ہین یا بالخورہ اور گنج ہوگیا ہے یا بال گرنا شروع ہوگئے ہین اگر کمزور ہوگئے ہین یا سفید ہونے لگے ہین تو اس تیل کا استعمال بالونکی جڑون کو فاسد رطوبتون سے صاف کرکے بال کا گرنا موقوف کردیگا بال بڑھائیگا اور جہان جہان کے بال گرگئے ہین وہان نئے بال سیاہ پیدا کریگا۔

(۲) جنکو نزلہ درد سر یا شقیقہ دوران سر ضعف دماغ ضعف بصارت بےخوابی اور نسیان وغیرہ کی شکایت رہتی ہے ان کیلیے یہ تیل بڑی نعمت ہے نزلہ کو فوراً روکدیتا ہے اور دماغ و بصارت کو قوی کرکے عجیب قسم کا سکون پیدا کردیتا ہے اور عینک کے استعمال کو بھی غیرضروری کردیتا ہے۔

(۳) شدت تپ کی حالت مین اسکی مالش فوراً ہذیانی حالت کو دور کرکے پسینہ لے آتی ہے اور بخار کو کم کردیتی ہے۔

(۴) ایسے مہلک امراض سے جیسے کنٹھ مالا سل دق ہے اسکا استعمال کرنیوالا محفوظ رہتا ہے اور تمام اثرات نزلہ کو خواہ سر مین ہو یا دانتون یا مسوڑھون مین یکقلم دور کردیتا ہے۔

(۵) سر اور جسم کے پھوڑیان پھنسیان، گرمی دانے خارش اور ہر طرح کے جلدی امراض اسکے مالش سے کافور ہوجاتے ہین۔ ایک تازہ سرٹیفکیٹ ملاحظہ ہو۔

مکرمی تسلیم۔ آپکا عنایت کردہ تیل بہت مفید ثابت ہوا ابھی ایک شیشی ختم نہین ہوئی تھی اور سر کی خشکی جاتی رہی بال گرنا بند اور نئے بال نکلنے شروع ہوگئے۔ براہ کرم حکم دیدیجئے کہ ایک شیشی اور بھیجی جائے اور آئندہ بغیر میری استدعا کے ہر مہینے کے شروع مین ایک شیشی بذریعہ وی پی روانہ ہوا کرے والسلام۔

نیازمند جعفر علی خان (ڈپٹی کلکٹر) رائے بریلی۔

جوابی امور کے واسطے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے

قیمت معہ محصول۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (۳؍ روپے)

مینیجر کایا پلٹ ہیر آئیل۔ لکھنؤ

باب الاستفسار

غالب کی شاعری

(از زبیدہ خاتون - رحمت باغ حیدر آباد دکن)

دو مین نہایت ادب کے ساتھ جناب کی خدمت مین حسب ذیل استفسارات پیش کرنیکی جراءت کرتی ہون - اگر جناب کو زحمت نہو تو اپنے زرین خیالات سے مجھے مستفید فرمائیے -

(۱) شعر کی خصوصیات کیا ہین ؟ اور کیا ان مین فلسفہ داخل ہے غالب کی فلسفیانہ شاعری کے متعلق ڈاکٹر عبد الرحمان صاحب مرحوم بجنوری کی رائے سے آپ کس حد تک اتفاق فرماتے ہین ؟

(۲) ہندوستان کے شعرا مین غالب کا کیا درجہ ہے اور کن خصوصیات کی بنا پر ؟ "

(**نگار**) شعر کی خصوصیات کیا ہین ؟ یعنی کس شعر کو صحیح معنی مین شعر کہہ سکتے ہین ؟ یہ سوال اسقدر قدیم ہے کہ اگر ہم چاہین تو کہہ سکتے ہ[ین] کہ تنقید کے اولین احساس کے ساتھ ہی یہ بھی وجود مین آیا تھا، اور اس لئے آپ جس زمانہ اور ملک کے لٹریچر کو اٹھا کر دیکھین گی تو ا[س] موضوع پر آپ کو کافی سرمایۂ تحقیق نظر آئے گا۔ مجھ سے سوال کر کے آپ کیون اُس فرسودہ و پامال مبحث کو زندہ کرنا چاہتی ہین، جس مین اب ک[و]ئی جدت و ندرت باقی نہین رہی - پھر یون بھی نگار کے گزشتہ مجلدات مین اس مسئلہ پر ایک سے زاید مرتبہ اپنے خیالات ظاہر کر چکا ہون[،] اس لئے اب انکا اعادہ کوئی لطف کی بات نہین - مگر ہان یہ کہنے سے باز نہین رہ سکتا کہ جس طرح حسُن و جمال کے لئے کوئی خاص مادی معیار [اس] وقت تک قائم نہین ہو سکا اسی طرح فن یا اصول فن کے لحاظ سے شعر کی خوبی کا اندازہ دشوار ہے - البتہ جس حد تک ذوق و وجدان [سے] تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حسُن و شعر کی خوبی منحصر ہے صرف ناظر و سامع کے تاثر و تکیف پر جو بالکل ذاتی و انفرادی چیز ہے اور اس پر [کوئی] اعتراض کرنا بالکل خلاف محل ہے - جس طرح ایک حبشی کی محبوبہ یورپ مین قبیح ترین چیز سمجھی جاتی ہے اس طرح حبش مین یمبران فران[س] مبروص سمجھکر اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا جاتا ہے، اور یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر آج تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ لکھنؤ اسکول کی شاعری قا[بل] ترجیح ہے یا دہلی اسکول کی "ایک شخص جس کا دل کیفیت عشق و محبت سے خالی ہے اس کے نزدیک میر و درد کی شاعری لایعنی ہذیان سرا[ئی] ہے، اور دوسرا جو صرف حکایات محبت ہی سننا چاہتا ہے، وہ اسیر و ناسخ کے دواوین کو مجموعۂ مزخرفات جانتا ہے مین نے ایسے لوگ دیکھے ہین جو میر کا یہ شعر سنکر :-

اک نگہ سے بیش کچھ نقصان نہ آیا اس کے تئین
اور مین بیچارہ تو اے مہربان مارا گیا

گھنٹون کے لئے بیکار ہوگئے اور وہ ملکوتی نفوس بھی میری نگاہ سے گر چکے ہین جن کے نزدیک "مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا

شاعری کا بہترین معیار ہے۔

ہر حال تنقید شعر کے متعلق کوئی ایسا فیصلہ جس کو سنکر ہر شخص سر تسلیم خم کرلے، نہ آجتک ہوسکا ہے نہ آئندہ اس کا امکان ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ اگر کوئی شخص صحت عقل و فکر سے کام لیکر محض فطری اصول اور علمی مسلمات پر بنیاد رکھ کر ایک شعر کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے تو وہ ایسے حدود معین کرسکتا ہے جو "خالص" و "عیار" کے تمیز مین مدد دے سکتے ہین اور اسی لئے نہ صرف شعر بلکہ ادب و انشا کے تمام اقسام کے لئے یہ اصول جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے یہ قرار دے لیا گیا ہے کہ

انچہ از دل خیزد بر دل ریزد

پھر چونکہ شاعری مین زیادہ تر واردات قلب ہی سے بحث کیجاتی ہے، اس لئے وہان اس کلیہ کی قوت اور زیادہ نمایان نظر آتی ہے و "بر دل ریزد" ہی کو دیکھ کر "از دل خیزد" پر حکم لگایا جاتا ہے

ہو سکتا ہے کہ ایک واقعہ میرے لئے اسقدر باعث تاثر نہ ہو جتنا آپ کے لئے، لیکن واقعہ کی نوعیت کو دیکھ کر بہ آسانی یہ فیصلہ ہوسکتا ہے کہ اصولاً اس کا اثر کسقدر اور کیسا ہونا چاہئے اور یہین سے وہ اصول مترتب ہوتا ہے جسے ایک شعر کی تنقید مین حقیقت مسلمہ کا درجہ حاصل ہے۔

شاعری مین حکمت و فلسفہ کے تمام شعبے داخل ہین یا نہین، میرے نزدیک لایعنی سی بحث ہے کیونکہ ممکن ہے فلسفہ شعر مین آکر بلند ہو جائے لیکن شعر فلسفہ کے حدود مین جاکر کوئی خاص امتیازی مرتبہ حاصل نہین کرسکتا۔ شعر حقیقتاً نام ہے اُس شعور حفوظی کا جس کا تعلق صرف انسان کے جذبات دقیقہ سے ہے یا اگر آپ اسکو زیادہ بلند کرنا چاہین تو کہہ سکتے ہین کہ جس کا تعلق روحانیت سے ہے اس لئے میرے نزدیک ایک شعر کا تعلق "اخلاقیات" سے تو ہو سکتا ہے لیکن "حکمیات غیر اخلاقی" سے متعلق کرنا خواہ مخواہ کی جسارت ہے۔ اس مین شک نہین کہ فلسفہ و حکمت بہت وسیع چیز ہے یعنی اس کی وسعت یہانتک ہے کہ "جرم و معصیت" بھی اس مین داخل ہو سکتی ہے، چنانچہ ہمارے ایک عزیز دوست جو دوسور ہضم حد تک فلسفہ واقع ہوئے ہین دنیا کے بعض قبیح ترین و شنیع ترین حرکات کو بھی نہ صرف فطری بلکہ الوہیت سے ماورا [illegible] (Divine [illegible]) قرار دیتے ہین۔ لیکن شعر کی نزاکت اسقدر بھیانک وسعت کی متحمل نہین ہو سکتی اور وہ کبھی "داعیات فطرت صحیحہ" سے منحرف ہو کر کامیاب نہین ہو سکتا۔ اس سلسلہ مین اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جس کو فطرت صحیحہ کہا جاتا ہے وہی ایک اعتباری و فرضی چیز ہے تو بیشک میرے پاس اسکا کوئی جواب نہ ہوگا اور میرے لئے اس صورت مین سپر ڈالدینا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔

بہر حال چونکہ شعر کی پوری قوت کا اندازہ صرف اسی احساس و تاثر کے عالم مین ہو سکتا ہے جس کو مادیات یا منجر بہ مادیات سے تعلق نہین ہے اسی لئے آپ دیکھین گی کہ شرق و غرب ہر جگہ جس صنف سخن کی ترقی ہوئی یا جس کی قدر کی گئی وہ وہی ہے جسے تغزل یا (Erotic or Amatory) شاعری کہتے ہین اس کی مقبولیت کا سب سے بڑا راز اس کا وہی غیر اکتسابی اور بالکل فطرت کے مطابق ہوتا ہے، چنانچہ آپ دیکھین گی کہ جس شعر مین عہد وحشت کی سی سادگی پائی جاتی ہے وہی بہت زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ ہر چند اصول کی بنا پر تغزل یا غرامی شاعری کے لئے یہ ضرور نہین کہ وہ "تعلق جنسین" ہی مین محدود ہو، بلکہ وہ مذہب، اخلاق، مناظر فطرت، ان مین ہر ایک سے وابستہ ہو سکتی ہے، لیکن یہ تمام "انشعابات" عہد ترقی اور دور تمدن کی چیزین ہین، حقیقی اور اصلی شاعری تو وہی ہے

جس کا درس عورت کی نگاہ اولین نے دیا تھا ولسدورما قال

نخستین بادہ کاندر جام کردند
زچشم مست ساقی وام کردند

اس لئے میرا مسلک اس باب مین بہت کچھ قدامت پسند ( ) واقع ہوا ہے اور مین ایک شعر مین حکمت و فلسفہ کے بجائے، بیان درد و حکایت محبت کی جستجو کرتا ہون اور اس مین کسی قسم کے تصنع کو پسند نہین کرتا

ڈاکٹر بجنوری مرحوم جس زمانہ مین دیوان غالب کا مقدمہ لکھ رہے تھے، مین بھی بھوپال ہی مین تھا اور بار ہا میرے اُن کے درمیان «غالب کی شاعری» موضوع بحث قرار پائی۔ اس مین شک نہین کہ وہ بہت پاکیزہ ذوق سخن رکھتے تھے، نہایت ذہین شخص تھے اور پوری قوت نقد اُن مین موجود تھی، لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اُس وقت تک سن وقوف کو نہ پہونچے تھے اور اُن کا ذوق شعر و تنقید پختگی کو نہ پہونچا تھا۔ مین نے ہمیشہ اُن سے یہی کہا کہ آپ نے اس کام کو کم از کم ۵ سال قبل از وقت شروع کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو غالب کی مدح سرائی کی وہ صورت جو ایک ذم کا پہلو لئے ہوئے ہے، کبھی اختیار نہ کرتے۔

غالب کے شاعر ہونے مین کس کو گفتگو ہو سکتی ہے، لیکن اس کے محاسن شاعری کا صرف اس لئے قایل ہونا کہ اسنے حکمت و فلسفہ کے تمام نکات حل کر دیئے ہین نہ صرف خلاف حقیقت و واقعہ ہے بلکہ میرے نزدیک غالب کی شاعری کی توہین بھی ہے۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم کی نگاہ عقیدت نے حکمت و فلسفہ کے تمام رموز بستہ کا حل کلام غالب مین پا لیا ہو لیکن مین تو ڈرتا ہون کہ کہین یہ غالب پر اتہام نہ ہو اور نتیجہ ہو صرف ڈاکٹر بجنوری کی شاعری کا۔ مجھے افسوس ہے کہ انھون نے دیوان غالب مین غالب کا مطالعہ نہین کیا بلکہ خود اپنا مطالعہ کرنا چاہا، اور وہ یقیناً شاعری کے اس منزل مین تھے جس مین

بہ فیض بیدلی نومیدی جاوید آسان ہے

تو قلم سے نکل سکتا ہے لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ

مرے دل مین ہے یارب شوق وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جب اُس سے مین یہ بھی کہون وہ بھی

چونکہ ڈاکٹر بجنوری خود بہت وقت پسند و مشکل آفرین طبیعت رکھتے تھے اور زمانہ نے اُن کو کوئی درس ایسا نہ دیا تھا جو انسان سے «خیال محال» ترک کرا کے «واقعیت» مکانی مین مبتلا کر دیتا ہے، اس لئے انھون نے غالب کو شاعری کے اُن حدود مین ڈھونڈھا جہان وہ صرف اسد تھا اور بجنوری صرف ڈاکٹر۔ اگر اُن کی عمر وفا کرتی اور کسی بیوفا سے واسطہ پڑتا تو اُن کے مقدمہ کا یہ رنگ نہ ہوتا اور پھر انھین معلوم ہوتا کہ غالب کی شاعری کا وہی حصہ بیکار ہے جسے وہ فلسفہ طرازی سے تعبیر کرتے ہین۔

ڈاکٹر بجنوری کا، دیوان غالب کو الہامی کتاب کہنا بالکل درست ہے کیونکہ ہر حقیقی شاعر کا حقیقی شعر الہام ہی ہوا کرتا ہے اور علاوہ غالب کے ہندوستان مین اور بھی شعراء ایسے ہین جو اس حیثیت سے، پیغمبری کا درجہ رکھتے ہین، لیکن بجنوری مرحوم نے الہامات، کی تعیین کرتے ہوئے جس چیز پر زور دیا ہے وہ یہ ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن
ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہین

حالانکہ الہام حقیقتاً یہ ہے:-

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل مین کسی رنگ سے معذور نہین

اور یہی وہ خصوصیت شعری ہے جس کی بنا پر مومن کو غالب پر ترجیح دیجا سکتی ہے، کیونکہ مومن کی فلسفہ طرازی بھی اس رنگ کو نہین چھوڑتی اور غالب تغزل سے ہٹکر کہین کہین اس حد تک پہونچ جاتے ہین کہ:-

ترے بیمار پہ ہین فریادی وہ جو کاغذ مین دوا باندھتے ہین

آپ کے سوال کا دوسرا حصہ کہ ”ہندوستان کے شعرا مین غالب کا کیا درجہ ہے اور کن خصوصیات کی بنا پر“ بہت زیادہ تفصیل کا محتاج ہے اور باب الاستفسار مین پوری طرح اسپر بحث نہین کیجا سکتی، تاہم مختصراً اسقدر ضرور عرض کرونگا کہ قبول و شہرت کا جہانتک تعلق ہے غالب کی ہستی بالکل منفرد ہے (گو مجھے اس مین کلام ہے کہ محض قبول و شہرت دلیل کسی کی خوبی کی ہو سکتی ہے یا نہین) لیکن نفس شاعری کے لحاظ سے اور وہ بھی اُردو مین، غالب کا مرتبہ نہ اسقدر بلند ہے جتنا بجنوری مرحوم نے سمجھا اور نہ اتنا گرا ہوا جتنا آپ کے حیدر آبادی پروفیسر ڈاکٹر عبداللطیف نے سمجھایا۔ بلکہ اُس کا درجہ اس افراط تفریط کے درمیان ایک معتدل نقطہ پر قایم ہے۔

غالب کے کلام مین تین جداگانہ رنگ نظر آتے ہین، ایک وہ جسے غیر معتدل فارسی تخیل کہنا چاہئے مثلاً

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

دوسرا رنگ وہ جس مین تخیل تو فارسی ہے لیکن بہت معتدل جیسے:-

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا یا
تغافلہائے تمکین آزما کیا غم آوارگیہائے صبا کیا

تیسرا رنگ وہ ہے جس مین صرف سادگی نے حسن کلام پیدا کیا ہے، مثلاً

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے بے نیازی تری عادت ہی سہی
قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کاشکے تم مرے لئے ہوتے وغیرہ وغیرہ

پہلے رنگ کا ذکر بالکل بیکار سی بات ہے، کیونکہ خود غالب ہی نے اس کو نظری کر دیا تھا اور اس کو سامنے رکھ کر غالب کی شاعری پر حکم لگانا مناسب نہین۔ رہ گئے باقی دو رنگ سو اس مین کلام نہین کہ یہ دونون اپنی اپنی جگہ نہایت پاکیزہ ہین، لیکن ان کو غالب سے مخصوص سمجھنا درست نہین اُس وقت جتنے کامیاب شعرا تھے، سب کے یہان کم و بیش یہی دونون رنگ پائے جاتے تھے علی الخصوص مومن کہ اگر اس کے کلیات کا استقصا کیا جائے تو بآسانی کئی دیوان غالب نکل سکتے ہین۔ لیکن بایں ہمہ یہ نہین کہا جا سکتا کہ غالب کی شاعری یک اتباعی و تقلیدی رنگ رکھتی ہے، اس کی معنی آفرینی، خلق مضامین، ندرت بیان، نوائے ترکیب، جدت تخیل، ہر چیز اپنی اپنی جگہ اس کے غیر معمولی ذہانت و طباعی کے ثبوت مین پیش کیجا سکتی ہے اور اگر آپ اس کے اُردو کے کلام کو نظر انداز کر دین (جسے وہ اپنا ”مجموعۂ بے رنگ“ کہتا ہے) تو پھر فارسی مین اس کی انفرادیت

کو بھی ایک حد تک تسلیم کرنا پڑتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ غالب خود بھی اس کو محسوس کرتا تھا کہ ریختہ اس کے وسعت بیان کا متحمل نہین ہو سکتا اور اس لئے اس نے زیادہ توجہ فارسی شاعری کی طرف کی۔

اس مین کلام نہین کہ غالب کی وقت پسند طبیعت نے سب سے پہلے میرزا عبدالقادر بیدل کا رنگ اپنے ریختہ اور فارسی مین پیدا کرنا چاہا لیکن چونکہ بیدل کا رنگ الفاظ و تراکیب سے بالکل علیحدہ محض وجدان و کیف سے پیدا ہونے والی چیز ہے جو غالب مین مفقود تھا اس لئے ان کو آخر کار سپر ڈالدینا پڑی اور اعتراف ناکامی کے بعد عرفی و نظیری کو پیش نظر رکھ کر شاعری شروع کی۔ جہانتک فارسی زبان اور شوخی و حلاوت کا تعلق ہے یقیناً غالب کو عرفی اور نظیری ہی کے صف مین جگہ دیجائے گی بلکہ جوش و خروش کی حیثیت سے اس کا مرتبہ بلند نظر آئیگا لیکن اثر و تاثر کی دنیا مین غالب ان دونون سے فروتر نظر آتا ہے۔ آپ غالب کا پورا کلیات چھان ڈالئے مگر عرفی کے اس شعر کا جواب آپ کو کہین نہین ملیگا:۔

امروز نگاہِ من و عرفی بہم افتاد باہم نگریستیم و گریستیم و گزشتیم

غالب نظیری کی تقلید مین اپنی سرشاری کا اظہار کرتے ہوئے سیر نہین ہوتا۔ چنانچہ متعدد جگہ لکھا ہے:۔

(۱) غالب از اوراق ما نقش ظہوری دمید سرمۂ حیرت کشیم دیدہ بدیدن دہیم
(۲) غالب از من شیوۂ نطق ظہوری زندہ گشت از نوا جان در تن ساز بیانش کردہ ام
(۳) جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

اور اس مین شک نہین کہ ان دونون کے کلام مین اسدرجہ اتحاد و یکرنگی ہے کہ مشکل سے امتیاز ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی نظیری کے اس نوع کے اشعار کا جواب اس سے نہ ہو سکا:۔

در محبت دل و دین باختن اول قدم ست ما نظیری ز تو خورسند بانیہا نہ شویم
مثل لب دریا و حال مستسقی ست دہند شوق و لے رخصت نظر ندہند
تو مپندار کہ این قصہ بخود می گویم گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

الغرض تغزل مین معاملات محاکات، رشک و حسد، طعن و تشنیع، شوق وصل و شکوۂ ہجران وغیرہ تمام وہ جذبات جو پندارِ عشق کے ساتھ پیدا ہوتے ہین غالب کے یہان نہایت خوبی و اہتمام سے پائے جاتے ہین، لیکن جہانتک جذبات استسلام (Passive feelings) کا تعلق ہے، غالب کی شاعری کوئی خاص امتیاز نہین رکھتی۔ یہی سبب ہے کہ غالب کے قصاید اُس کی غزلون سے اور مثنویان قصاید سے بہتر ہین۔ کیونکہ قصاید مین رنگ تغزل ضروری نہین اور مثنوی مین وسعت بیان کے لئے کافی میدان موجود ہوتا ہے جسمین غالب ایسا محاکات نویس و معاملہ نگار پورا زورِ طبیعت صرف کر سکتا ہے۔

"نیاز"

سالومی

آسکر وائلڈ کے نہایت مشہور ڈراما کا ترجمہ جسے جناب مجنون گورکھپوری نے اسی قوتِ بیان اور سلاست کے ساتھ کیا ہے جو آسکر وائلڈ کے خصوصیات انشا مین داخل ہین اس مین ایک مختصر مگر جامع مقدمہ بھی شامل ہے جسمین اس ڈرامہ کی تاریخ و دیگر خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲ ار

مینیجر "نگار" لکھنؤ

ہوا کا ترانہ

نہ ہے رہبر کوئی میرا نہ ہے رہزن میرا
کہین منزل ہے مری اور نہ مسکن میرا
مست پرواز سدا رہتا ہے توسن میرا
کبھی اُلجھا نہ کسی خار سے دامن میرا
آ رہی ہون مین کہان سے یہ مجھے یاد نہین
کوئی دنیا مین مری طرح بھی آزاد نہین

گام پیما ہون مین خاموش بیابانون مین
میرے ہنگامے تڑپتے ہین گلستانون مین
دشت مین، وادی کہسار مین، ویرانون مین
بزم آرا ہون مین دنیا کے شبستانون مین
وہ فضا کون سی ہے مجھ سے جو آباد نہین
کون سا لب ہے وہ جس پر مری روداد نہین

ابر ہین سبزۂ گردون پہ خرامان مجھ سے
قلزم آب مین موجین ہین غزلخوان مجھ سے
صحن گلزار ہے فردوس بہ دامان مجھ سے
رقص پیما ہین شررہائے گلستان مجھ سے
عکس آرامئے گلگون ہے مرے سینے مین
زندگی جلوہ نما ہے اسی آئینے مین

ہر طرف پھیلی ہے اس باغ مین نکہت میری
نہین دیکھی ہے کسی نے کبھی صورت میری
ایک حالت پہ نہین رہتی ہے فطرت میری
ہر طرف مجھ کو لئے پھرتی ہے وحشت میری
نقش ہوتے نہین جنبش سے نمایان میری
جادہ رفتار سے رہتا ہے گریزان میری

مین اڑا لاتی ہون پھولون کی بہار رنگین
مین الٹ دیتی ہون لے کر یہ دیار رنگین
توڑ لیتی ہون مین گلہائے شرار رنگین
مین چرا لاتی ہون نغمون کے نگار رنگین
آہ و فریاد کے پوشیدہ ہین بارے مجھ مین
سو رہے ہین غم و عشرت کے شرارے مجھ مین

کشمکش سے مرے ہوتے ہین ترنم پیدا
میرے جلوون سے ہے کلیون مین تبسم پیدا
پتیون مین مرے دم سے ہے تکلم پیدا
مین نے سبزہ پہ کئے صبح دم انجم پیدا

سن کے میرے نفس مست سے اعجاز بہار
لب ساحل پہ بجا کرتے ہین موجون کے ستار

قصر گل توڑ کے نکہت کو چراتی ہون مین   دشت و کہسار کو پھولون مین بساتی ہون مین
لے کے گہوارہ مین کلیون کو کھلاتی ہون مین   برگ خوابیدہ کو نغمون سے جگاتی ہون مین

صبح دم باغ مین شاخون کو سنوار آتی ہون
گل کے افسردہ چراغون کو اُتار آتی ہون

آہ کرتی ہون مین جا کر کبھی ویرانون مین   کبھی گاتی ہون ترانے مین شبستانون مین
پھول چنتی ہون کبھی آ کے گلستانون مین   اور اڑاتی ہون کبھی خاک بیابانون مین

جام شبنم کبھی پھولون کو پلا دیتی ہون
اِن کی محفل سے کبھی اِن کو اُٹھا دیتی ہون

بال سنبل کے کبھی کھینچ لیا کرتی ہون   دامن گل پہ کبھی رقص کیا کرتی ہون
کبھی دوشیزۂ نرگس سے حیا کرتی ہون   چوم کر لب کبھی پھولون کے چھپا کرتی ہون

فرش سبزہ پہ کبھی ناز سے اٹھلاتی ہون
تھام کر دامن نکہت کبھی اِتراتی ہون

چادر گرد اڑا لاتی ہون صحراؤن سے   گوہر آب چرا لاتی ہون دریاؤن سے
شاہدِ مے کو بھگا لاتی ہون میناؤن سے   نکہت گل کو جگا لاتی ہون ایماؤن سے

توڑ لیتی ہون گل شمع شبستانون مین
جام شبنم کو پٹک دیتی ہون ویرانون مین

تنگ آ جاتی ہون جب گھوم کے صحرا و چمن   آ کے دریا مین بناتی ہون مین آبی مسکن
اُس مین بنتی ہون شعاعون سے انوکھا دامن   یاد آتے ہین مگر جب گلِ صحرائے وطن

دم مین بس توڑ کے اس خیمۂ آبی کی رسن
برق مضطر کی طرح اڑتی ہون بے رنج و محن

تابِ خورشید سے جب کانپنے لگتی ہے فضا   جسم کو پیرہن خاک مین لیتی ہون چھپا
لے کے دامن مین پھر اپنے خس و خاشاک بلا   رقص کرتی ہوئی اٹھتی ہون مین مینار نما

اِک بلندی پہ بناتی ہون نشیمن اپنا
پھر اُتر آتی ہون مین پھاڑ کے دامن اپنا

لبِ جو آئینہ پھولون کو دکھاتی ہون کبھی   اور گہوارہ مین موجون کے کھلاتی ہون کبھی
وصل و ہجران کے مزے دم مین چکھاتی ہون کبھی   مین ملاتی ہون کبھی اُن کو ہٹاتی ہون کبھی

دشت و کہسار مین نکہت کو بھرایا مین نے
عالمِ خواب مین غنچون کو ہنسایا مین نے

آکے سنتی ہون کبھی نغمۂ مرغانِ بہار   کبھی پھولون کا لگاتی ہون چمن مین انبار
ناچتی ہون کبھی دامن مین لئے اپنے شرار   کھیلتی ہون کبھی چشمون کو بنا کر گلزار

چھیڑ کر موج کو اک زمزمہ سنتی ہون کبھی
آستین پیرہنِ آب کی چنتی ہون کبھی

چاند جب کھول کے دروازۂ زرین اپنا   کہتا ہے تارون سے افسانۂ غمگین اپنا
جوشِ مستی مین لئے بربطِ پروین اپنا   آکے مین چھیڑتی ہون نغمۂ رنگین اپنا

رقص کرتے ہین مرے سامنے گلہائے چمن
چومتی ہون مین لبِ نکہتِ فردوس وطن

جامِ مہتاب سے جب ہو کے ستارے مدہوش   سنتے ہین شاہدِ فطرت کی نوائے خاموش
چادرِ ابر سمن بار سے پیرایہ بدوش   آکے ہوتی ہون مین اس بزم مین افسانہ نیوش

کبھی چھپ جاتی ہون لیکر گلِ انجم کی بہار
اور ہنستی ہون بنا کر یہی پھر نقش و نگار

چاند کو توڑ کے موجون پہ بہاتی ہون کبھی   اور ٹوٹے ہوئے ٹکڑون کو ملاتی ہون کبھی
گلِ سوسن کی طرح اُس کو ہنساتی ہون کبھی   چھین دامن مین اُسے اپنے چراتی ہون کبھی

اُس کو آغوش مین لے کر کبھی سو جاتی ہون
ظلمتِ شب کی طرح نور مین کھو جاتی ہون

چادرِ ابر پہ لے کر کبھی مستی مین قلم   مین بناتی ہو کہین شہر کہین بزمِ صنم
کہین مینار، کہین قصر، کہین رقصِ علم   کہین چشمے، کہین کہسار، کہین باغِ ارم

دم مین یہ نقش بنا کر مین مٹا دیتی ہون
آئینہ شاہدِ ہستی کو دکھا دیتی ہون

شور کرتی ہون مین آکر کبھی ویرانون مین   خیمہ بردوش کبھی پھرتی ہون میدانون مین
کبھی پردون کو الٹ دیتی ہون ایوانون مین   کھیلتی ہون کبھی شمعون سے شبستانون مین

حسن گلزار کو کرتی ہون مین مستی مین خراب
آکے موجون پر تڑپتی ہون مین ہوکر بے تاب

لے کے گرداب مین کشتی کو مچلتی ہون کبھی — بادبان چیر کے جون برق نکلتی ہون کبھی
مین اُگلتی ہون کبھی اُس کو نگلتی ہون کبھی — منہ مین مچھلی کی طرح لے کے اچھلتی ہون کبھی
پھینک دیتی ہون کبھی دشت کو دریاؤن مین
کبھی دریا کو الٹ دیتی ہون صحراؤن مین

ابر کی فوج کو میدان مین لاتی ہون مین — شور کرکے دہل رعد بجاتی ہون مین
آگے آگے علم برق ہلاتی ہون مین — لشکر مہر کو حملون سے بھگاتی ہون مین
ہنس کے پھر بادشہ نور کو شرماتی ہون
چادرِ قوس قزح اوڑھ کے سو جاتی ہون

میرے آغوش مین سوتے ہین ہزارون طوفان — ہین ہزارون میرے دامن پہ بہارین قربان
قہر مین کرتی ہون سیلاب پہ دنیا کو روان — اور خوشی مین اُسے کر دیتی ہون فردوس نشان
رقص کرتے ہین ہر اک رنگ کے جوہر مجھ مین
مین ہون عالم مین نہان عالم محشر مجھ مین

یاسمن روکتی ہے ناز سے توسن میرا — ہنس کے گل کھینچتے ہین گوشۂ دامن میرا
ہاتھ ہی ہاتھ لئے شاہد سوسن میرا — کہتی ہے ناز سے آ دیکھ نشیمن میرا
کوئی پہناتا ہے پیراہن نکہت مجھ کو
اور سناتا ہے کوئی نغمۂ عشرت مجھ کو

نگرانِ عشوہ گردن سے مین چھڑا کر دامن — موج دریا کی طرح دیکھتی صحرا و چمن
جوشِ وحشت مین گزر جاتی ہون بے رنج و محن — کیا ہو مجھ پہ اثر جادوِ نسرین و سمن
میری رفتار مین مضمر ہے نشیمن میرا
میرے دامن کی فضاؤن مین ہے گلشن میرا

تھی مین گلبانگ جہان خیز ازل پر رقصان — حضرتِ نوح کے طوفان مین ہر سو تھی روان
مین ہون دیکھے ہوئے جمشید کی محفل کا سمان — یون ہی گاؤن گی سدا دیکھ کے نیرنگ جہان
ہے ہوا نام میرا کام روانی میرا
سب کو سیراب کئے رہتا ہے پانی میرا

طفیل احمد شمیمی بی۔ اے

سیر کہسار

کھنچ چکا تھا پردۂ شب مطلعِ کہسار سے
کس طرح کھلنے سے رہتا غنچہ مرجھا یا ہوا
تھی فضا خاموش مثلِ پیکر "تصویرِ شوق"
پتی پتی سے نمایاں شانِ محجوبی ہوئی
ایک غفلت تھی مسلط وادیِ کہسار پر
یا نیازِ شوق میں ساری فضا مسجود تھی
ناگہاں اک ناز پرور نازگستر نازنیں
ساتھ اپنے ہمنشیں کے سیر کرنے آگئی
زلف اُس کی غیرتِ ظلمات یا مشکیں کمند
فرق، رشکِ برقِ کوہِ طور یا خطِ شہاب
طاقِ ابرو سے عیاں تھا حل کریگا "ملکدہ"
تھی وہ چلمن یا مژہ تھی مے فروشی پر تلی
پتلے پتلے ہونٹھ تھے یا تھے خط جام شراب
نور کا فوارہ تھا یا گردنِ بلور تھی
سینۂ شفاف گویا تختۂ کافور تھا
فطرتِ معصوم یا ناظورۂ مدہوش تھی
اپنے پہلو میں لئے مصروف گلچینی تھا وہ
جب بکھرتی زلفِ شبگوں اسکو سلجھاتا کبھی
جب تبسم کی جھلک دیتی بپیامِ بیخودی
جب غضب آلودہ تیور سے برستیں بجلیاں
مختصر یہ ہے کہ دونوں "ہمنوائے عشق تھے"
عشق میں جوش ہے اگر تو حسن بے پروا نہیں

چھن رہی تھی روشنی قطراتِ گوہر بار سے
ایک رنگِ قرمزی تھا چرخ پر چھایا ہوا
اور قرطاسِ زمیں پر پھول تھے "تحریرِ شوق"
ٹھنڈی ٹھنڈی تھی ہوا بھی اوس میں ڈوبی ہوئی
چھا رہی تھی بیخودی "یا فطرتِ سرشار پر
قدرتِ تقویم گویا شاہدِ مقصود تھی
ماہ طلعت، ماہ رفعت، ماہ پیکر مہ جبیں
بیخودی سی اور کچھ ساری فضا پر چھا گئی
یا "طنابِ عنبریں"، یا رشتۂ حسن بلند
یا افق پر جلوہ گر تارِ شعاعِ آفتاب
سرخ ٹیکا بیچ میں تھا یا سوادِ "گل کدہ"
یاد دو کان تھی ساقیِ غارتگرِ دیں کی کھلی
انکھیں ان سے چکاں تھا یا رواں رنگِ شباب
یا صراحی نور کی یا برقِ کوہِ طور تھی
شانۂ سیمیں جلائے غیرتِ بلور تھا
مختصر یہ ہے سراپا محشرِ خاموش تھی
چشمِ شوق آرزو سے محوِ رنگینی تھا وہ
جب پلٹتی چشمِ میگوں، لڑکھڑا جاتا کبھی
کروٹیں لیکر بدل جاتا نظامِ بیخودی
وہ لرز جاتا مثالِ "طائرِ بے آشیاں"
واقعاتِ عاشقی تھے "ماجرائے عشق" تھے
جس میں بدمستی نہو ایسی کوئی صہبا نہیں

لازم و ملزوم ہین سرچشمہائے زندگی باعثِ تنظیمِ دل ہین نغمہائے زندگی
چند ایسے شوخ لمحے ہین مآلِ زندگی!
ربطِ حسن و عشق حافظ ہے جمالِ زندگی!!

حافظ غازیپوری

جنوری ۱۹۳۰ء سے

دارالاشاعت نگار سے ایک نئے رسالہ کا اجراء

اس رسالہ کا نام جن ہوگا۔ جن کے لغوی معنی ہین ہر وہ چیز جو حواس ظاہری سے پوشیدہ ہو، اس لئے اس رسالہ مین تمام اُن امور و واقعات سے بحث ہوگی جن کا تعلق "ماوراء عالم حواس" سے ہے اور جس مین جنات، ارواح خبیثہ مابعد الطبیعیات روحانیات، وغیرہ سب شامل ہین۔ اس مین نہ صرف جنات وغیرہ کے معتبر واقعات و حکایات ہونگے، بلکہ ان پر تنقید بھی ہوگی، عالم ارواح و روحانیت کے متعلق جدید ترین تحقیقات و معلومات بھی ہونگی اور "حیات بعد الممات" کے متعلق اس وقت تک جو کچھ دریافت ہو چکا ہے اور ہوتا جا رہا ہے وہ بھی درج ہوتا رہیگا۔

اس رسالہ کی تقطیع ۲۶×۲۰ ہوگی اور ۲۵ سطر کے مسطر پر دو کالم مین باریک خط سے لکھا جائیگا۔ حجم فی الحال دو جزو ہوگا جس مین ۸ صفحات مستقلاً علمی تحقیقات کے لئے وقف ہونگے۔ اس رسالے مین ارواح خبیثہ اور جنات کے جتنے واقعات درج ہونگے ان سب کو مصور پیش کیا جائیگا جس کے لئے ایک آرٹسٹ کی خدمات مستقلاً حاصل کی گئی ہین۔ رسالہ کی سالانہ قیمت عہ تجویز کی گئی ہے اور ایک سال سے کم مدت کے لئے چندہ قبول نہ کیا جائیگا۔

جن حضرات کو اس دنیا سے دلچسپی ہو وہ براہ کرم اپنا پتہ بھیجدین تاکہ بعد اشاعت رسالہ کا نمونہ اُن کے پاس روانہ کیا جائے۔

اس کے ساتھ یہ استدعا بھی ہے کہ اگر کسی شخص پر اُس کی زندگی مین کوئی واقعہ ایسا گزرا ہے جسے وہ جنات یا بھوت پریت سے منسوب کرتا ہے تو براہ کرم اس کو قلمبند کر کے روانہ کردے زبان و تحریر کی پرواہ نہ کیجائے، یہان اس کو درست کر لیا جائے گا اور واقعہ کے مطابق تصاویر طیار کرائی جائین گی۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ صرف اپنا تجربہ و مشاہدہ پیش کیا جائے دوسرون سے نقل کی ہوئی روایت نہ ہو۔

پہلا پرچہ جنوری ۱۹۳۰ء کے نگار کے ساتھ ہی ساتھ شایع ہو جائے گا۔

مینیجر نگار۔ لکھنؤ

تربیت اطفال

ذرہ دہر مین ہے نورِ قمر جلوہ فگن
سینۂ تخم مین ہے عکسِ شجر جلوہ فگن

صاعقہ پاش ہے گو موج روان دریا مین
دیکھنے والا مگر کوئی نہین دنیا مین

صحن گلشن سے اگر شاخ نہوتی روپوش
ہوتے کچھ غنچۂ خوش رنگ وہان جلوہ فروش

قطرے نیسان کے صدف سے جو نہ باہر گرتے
ایسے دُر بنتے کہ پھر نظرون سے گوہر گرتے

آہ اطفالِ وطن آج جو آوارہ ہین
ماہ بے نور ہین، آئینۂ ناکارہ ہین

صیقل علم سے گر انکو جلا دی جاتی
انکے سینون ہی سے پھر کسبِ ضیا کی جاتی

(محمود - اسرائیلی)

تحریصِ عمل

تو ہی بلبلِ چمن ہے ہمہ سوز و ساز ہو جا
تو ہی شمعِ انجمن ہے ہمہ تن گداز ہو جا

یہ ترا سکون پیہم ہے حریفِ زندگانی
اسے سونپ کر خدا کو تو خرام ناز ہو جا

تری ہر ادا مین مضمر ہے جہان سرفرازی
ابھی اسکو آزمالے۔ ابھی سرفراز ہو جا

تری بندگی کی خو نے نہ تجھے کہین کا رکھا
دلِ غزنوی بگڑ کر نگہ ایاز ہو جا

ہے ترے عمل کی دنیا جسے خواب کہہ رہا ہے
جو شعورِ زندگی ہے تو عمل نواز ہو جا

تری "بزمِ آرزو" کا ہے جنون دعا کو
تری "شمع جستجو" کی ہے تلاش ارتقا کو

امین حزین

غزلیات

اختر شیرانی :-

دل و دماغ کو رو لونگا، آہ کر لونگا
تمھارے عشق مین سب کچھ تباہ کرونگا!

جو تم سے کر دیا محروم، آسمان نے مجھے
مین اپنی عمر کو صرفِ گناہ کر لون گا!

ثواب کے لئے ہو جو گنہ وہ عینِ ثواب!
خدا کے نام پہ بھی اک گناہ کر لون گا!

حریمِ حضرتِ سلمیٰ کی سمت جاتا ہون
ہوا نہ ضبط تو چپکے سے آہ کر لون گا!

مجھے جو دیر و حرم مین کہین جگہ نہ ملی
ترے خیال ہی کو سجدہ گاہ کر لون گا!

یہ نوبہار، یہ ابر و ہوا، یہ رنگ شراب!
چلو جو ہو سو ہو، اب تو گناہ کر لون گا

کسی حسین کے معصوم عشق مین اختر
جوانی کیا ہے مین سب کچھ تباہ کرونگا!

افسر صدیقی امروہوی :-

رازِ ہستی کس سے پوچھیں کس کو اتنا ہوش ہے
آئینہ خانے مین ایک ایک آئینہ خاموش ہے

حشر کیون کرتا ہے اپنی فتنہ سامانی پہ ناز
میرے پہلو مین بھی اک ہنگامہ خاموش ہے

شمع کیون بیتاب ہے جلتا ہے پروانہ اگر
عشق تو دیوانہ ٹھہرا حسن کو کیون جوش ہے

ہنستے دیکھون ڈالتے ہوئے روشن پر نقاب
دیکھئے جلوہ تمھارا کس کو اتنا ہوش ہے

کان مین آتی نہین اب لنترانی کی صدا
ایک مدت ہو گئی دنیائے دل خاموش ہے

صبحِ خندان کی طرح افسر مرا دل ہے نہال
شامِ فرقت مین نہ جانے کون ہم آغوش ہے

دل شاہجہانپوری :-

بے نیازی ہے اسکی عجز نواز
وقفِ سجدہ رہے جبینِ نیاز

اپنے نغمون کو چھیڑ اے بلبل
ہر گلِ تر ہے گوش بر آواز

کھنچ رہی ہین دلِ حزین کی رگین
ہم نفس اٹھ رہا ہے پردۂ راز

شمع گریان ہون بزمِ ہستی مین
ہر نفس عشق مین ہے روح گداز

چھیڑتی ہے عبث ہوائے چمن
اب کہان ہم مین ہمتِ پرواز

زینتِ حسن بے حقیقت ہے
ہو نہ آلودۂ فریبِ مجاز

صورتِ شمع جل خموشی سے
ہے تقاضائے عشق سوز و گداز

شبِ غم اے دلِ فراق نصیب
ہے مصیبت خیالِ زلفِ دراز

کوچۂ عشق مین جناب دل
ہے عبث شکوۂ نشیب و فراز

نظیر لودھیانوی :-

تجھے دلبری کا مذاق ہے تو ہجوم سرو و سمن مین آ
بہزار جلوہ دمِ سحر تو نکل کے گھر سے چمن مین آ

تجھے ربط تیر و کمان سے کیا تجھے کام تیغ و سنان سے کیا
تو نہالِ حسن و جمال ہے تو بہار بن کے چمن مین آ

زرہ کرم کبھی اے صبا یہ پیام میرا اسے سنا
کہ جلو مین عالمِ نو لئے شبِ ماہ و مہرِ کہن مین آ

نہ ہی یہ ریاضِ فرنگ مین نہ نوائے جلوہ گنگ مین
جو تلاشِ لیلیٰ آرزو ہی ہے تجھے تو نجد کے بن مین آ

تو ہر ایک طرح کا ظلم سہ تو رضائے دوست مین مست رہ
تو صراطِ عشق مین گام اٹھا تو دیارِ دار و رسن مین آ

جو اضطرابِ فنا نہین کوئی زندگی کا مزا نہین
جو نہین ہے شغلِ رباب و مے تو حریمِ اہلِ سخن مین آ

یہ پیام ہے خضرِ صبح نے کہ نہ بے خبر ہو مآل سے
نہ نشاطِ عمر ہے یک نفس نہ فریبِ چرخِ کہن مین آ

جو چڑھے تھے رنگ اتر گئے کئی ماہ و سال گذر گئے
ہے پرائے دیس کا ذوق کیون تو نظیر اپنے وطن مین آ

معلومات

کانچ اور فولاد کا شہر

اسوقت یوروپ کے مسائل تمدن مین سے ایک بڑا مسئلہ مکانون کی تعمیر کا ہے۔ آبادی کی کثرت سے جگہ مین تو اضافہ ہوتا نہین اور ہر آدمی کے لئے بہر نوع ایک معین جگہ زمین پر سانس لینے اور رہنے کے لئے ضروری ہے، چنانچہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ وہان کے موجودہ مکانات آبادی کے لحاظ سے بہت تنگ اور اصول صحت کے اعتبار سے ناقابل سکونت ہین نہ خاک سے پوری طرح حفاظت ہوتی ہے نہ ہوا اور روشنی کافی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ گنجان آبادی مین سڑک کے دونون جانب بلند عمارتون کا سلسلہ، نہ ہوا کو آزادی کے ساتھ آنے دیتا ہے نہ روشنی کو، اور ہر چند وہان کمرون کے اندر ہوا اور مصنوعی روشنی پہونچانے کا انتظام بہت پُر پیچ طریقون سے کیا جاتا ہے لیکن خاطر خواہ اس مین کامیابی نہین ہوتی۔

لندن کے ایک مشہور ماہر تعمیرات سنڈرے اکسپریس مین اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ یہ مشکل صرف اس طرح حل ہو سکتی ہے کہ تعمیر نہایت سادہ ہو نیز علمی طور پر تعمیری کا ایک جزو قرار دیا جائے اور بجائے اینٹ پتھر کے صرف فولاد اور کانچ کی عمارتین بنائی جائین۔ چنانچہ یوروپ و امریکہ کے ماہرین فن نے عمارتون کے بالکل نئے نقشے طیار کرنا شروع کر دیئے ہین اور بڑی حد تک تمام دقتون کو دور کر کے مستقبل کی تعمیرات پر عملی حیثیت سے کوششون کا آغاز ہو گیا ہے

تجویز یہ ہے کہ بجائے بنیاد کھودنے کے جس مین رطوبت، گندگی اور وقت سبھی کچھ پیدا ہوتی ہے، عمارتین صرف ستونون پر قایم کی جائین تا کہ سڑک بھی وسیع رہے، لوگون کی آمد و رفت مین بھی سہولت پیدا ہو اور دکانون کو بھی کافی جگہ ملجائے۔ جدید عمارتین فولاد، کانچ اور کنکریٹ کی ہونگی جن کے نیچے باغ مصنوعی جھیلین، پیرنے کے حوض، تفریح گاہین وغیرہ سب بن سکین گی اور اس طرح یہ تمام اسباب صحت و تفریح شہر کے اندر ہی ہر جگہ مہیا ہو سکین گے۔

لوگون کا خیال ہوگا کہ کانچ ایسی نازک چیز کے مکانات بہت کمزور ہونگے لیکن یہ صحیح نہین کیونکہ اگر کانچ بہت دبیز استعمال کیا جائے تو اس سے زیادہ مضبوط کوئی چیز نہین اور اس کی دیوارین، چھتین، دروازے، اور ستون بغیر کسی خطرہ کے بنائے جا سکتے ہین، اسی کے ساتھ سب سے بڑا فایدہ یہ ہے کہ شیشہ پر نقاشی، رنگسازی وغیرہ بھی بہت آسانی سے ہو سکتی ہے اور اُسے جس طرح چاہین ڈھال سکتے ہین اور حسین سے حسین چیز اس کی طیار کر سکتے ہین، پھر چونکہ وہ صاف رہنے والی چیز ہے، تم کو قبول نہین کرتی، اس پر خاک نہین جمتی اس لئے صحت کے لئے بھی بہت مفید ہے اور ارزانی اسکی ظاہر ہے۔

شیشہ کی عمارتون مین مصنوعی روشنی کا سوال بھی بالکل اُٹھ جائیگا کیونکہ یہ عمارتین ایسی بنائی جائین گی کہ از خود روشن ہو جائین اور اس طرح گویا کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل کے مکانات روشنی کے بنے ہوئے ہونگے

اہرام مصری کا راز

اہرام مصری کے متعلق ایک نہایت عجیب و غریب نظریہ حال ہی مین یہ قایم کیا گیا ہے کہ مصر قدیم کے کاہن اس سے دھوپ گھڑی کا کام لیتے تھے اور موسم کی پیمایش کرتے تھے۔ مسٹر کاٹسورتھ نے جو اس قیاس کا مُوجد ہے، حکومت مصر کو لکھا ہے کہ سب سے بڑے مینار کی چوٹی کا منہدم حصہ بنانے کی اجازت دیجائے تا کہ اس کا تجربہ ہو سکے۔

اس کا خیال ہے کہ مینار کا شمالی حصہ بجائے ڈایل یا سایہ دیکھنے کی جگہ کے استعمال ہوتا تھا اور اس کا تجربہ کرنے کے لئے مینار کی چوٹی کی تعمیر ضروری ہوگی۔

اس وقت تک جو عام طور پر یہ خیال قایم کیا جاتا ہے کہ اہرام مصری صرف فراعنہ کی لاشون کو محفوظ رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے، مسٹر کالسورتھ کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قدیم اہل مصر بڑے عملی لوگ تھے اور اہرام مصر صرف اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ مصر کے کاہن اس کی مدد سے موسمون کی تعیین کر سکین، چنانچہ اہل مصر اس مدد سے اپنے ایک خاص غلہ کی مین تین فصلین کاشت کر لیتے تھے۔ تیسری مرتبہ کاشت کرنے کے لئے اگر دو چار دن کی بھی دیر ہو جاتی تو فصل خراب ہو جاتی تھی لیکن اہرام مصری کی مدد سے ایک دن کیا بلکہ ایک گھنٹہ کی بھی دیر نہ ہوتی تھی اور وقت کاشت کی بالکل صحیح تعیین ہو جاتی تھی،

اہرام مصر گویا کاہنین مصر کی پوشیدہ جنتری تھی جس کی مدد سے وہ مصر کے کاشتکارون کو احکام صادر کرتے رہتے تھے اور اس کے راز کو وہ کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ چونکہ مصر کی ساری آبادی کاشتکاری پیشہ تھی اور خود ان کو وقت و موسم کے تعیین کا طریقہ معلوم نہ تھا، اس لئے وہ کاہنون کو نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کا بڑا اثر سارے ملک پر قایم تھا۔ وہان کے کاہن ہر ماہ کے دسوین، بیسوین اور تیسوین دن ہر عشرہ کا پروگرام بتا دیا کرتے تھے کہ آیندہ دس دن مین کیا کرنا چاہئے اور موسم کی کیا حالت ہوگی مثلاً:۔ خزان شروع ہو گئی ہے۔ دریائے نیل پوری طغیانی پر ہوگا نہرون کے دہانے کھولدو، لونگ چقندر اور شلغم کی کاشت شروع کر دو، بھیڑون کو مینڈھون سے علحدہ کر دو، زیتون اور روئی چن لو، پھلون کو جمع کر لو۔

اور یہ تمام پیشین گوئیان وہ اہرام مصری کی مدد سے کیا کرتے تھے اگر مسٹر کالسورتھ کا یہ قیاس صحیح نکلا اور حکومت مصر نے اس کو مزید تفتیش کی اجازت دیدی تو یقیناً یہ انکشاف نہایت ہی دلچسپ انکشاف ہوگا۔

زمین اور شہاب ثاقب | ڈاکٹر چارلس پی اولیور نے جو جامعہ پنسلوینیا کے رصد خانہ کے مہتمم ہین حال ہی مین فلکیات کی ایک مجلس مین تقریر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسوقت روزانہ کروڑ شہاب ثاقب زمین تک پہونچنے والے وہ ہین، جو ہمکو نظر آتے ہین ورنہ جو دوربین سے دیکھے جاتے ہین ان کی تعداد کا علم کسی کو نہیں پھر حیرت ہے کہ ان سے زمین کو کیون نقصان نہین پہونچتا اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ آسمان سے ۲۰ سے لیکر ۲۰ میل فی سکنڈ کے حساب سے چلتے ہین، تو فضا کی رگڑ ان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے، اور جب وہ زمین پر پہونچتے ہین تو راکھ کا ڈھیر ہوتے ہین، دوسرے انکی ضخامت بھی کم ہوتی ہے،

امریکہ کی عورت کا اسراف | دنیا کی تمام عورتین اپنے اسباب آرائش مین فضول خرچی کے لئے بدنام ہین، لیکن اس حیثیت سے نیو یارک کی عورتین سب سے آگے ہین، چنانچہ امریکہ کے اخبارات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۲۷ء مین عورتون اور لڑکیون نے صرف کپڑون پر (جواب اس قدر کم ہو گئے ہین کہ انکی سرحد تقریباً عریانی سے جا کر مل گئی ہے) جو رقم صرف کی ہے وہ ۱۹۲۵ء کی رقم سے ۱۳۷...... ڈالر یعنی تقریباً ۵۴ کروڑ روپیہ زیادہ ہے اور غریب مرد کو اسی اعتبار سے اپنے کپڑون مین کمی کرنا پڑی اور اس کمی کی مقدار ۱۹...... ڈالر ہے۔

پرتاب ۱۲ر
ردھنی ۱۰ر

مولانا شرر مرحوم

جنید بغدادی عہ
ملکہ زنوبیہ ۳ر
قرۃ العین ۳ر
مخدرات ۸ہر
جویاے حق للعہ
لعبت چین عہ
فاتح مفتوح ۸ہر
بابک خرمی ۸ہر
الفانسو ۱۲ر
ایام عرب ۶ہر
قیس ولبنیٰ ۸ہر
یوسف ونجمہ ۸ہر
زوال بغداد ۸ہر
مینا بازار عہ
مقدس نازنین ۸ہر
رومتہ الکبریٰ ۸ہر
فلپانا ۸ہر
غوقین ملکہ عہ
منصور موہنا ۸ر
حسن انجلینا ۸ر
ملک العزیز ورجنا ۱۲ر
فردوس برین ۸ر
حسن کا ڈاکو ۸ہر
دربار حرام پور ۱۰ر
غیب دان دلہن عہ
بدر النسا کی مصیبت

بیوہ کا علاج ۸ر
نیکی کا پھل عہ

شوق قدوائی مرحوم

ترانۂ شوق ۸ہر
قاسم و زہرہ عہ
نیرنگ جمال ۸ہر

میر ولی اللہ بی اے

بندگی ۶ہر
کاس الکرام ۸ر
لسان الغیب جلد اول ۸ر
" دوم ۶ہر
" سوم ۶ہر
" چہارم ۶ہر
ہمکلام فصاحت ۶ہر
بادۂ ناب عہ

ظفر عمر بی اے

چوروں کا کلب ۹ر
نیلی چھتری ۸ہر
بہرام کی گرفتاری عہ

مولانا نیاز فتحپوری

گیتان جلی ۶ہر
گہوارۂ تمدن ۶ہر
نگارستان ۶ہر
جمالیات ۶ہر
تاریخ الدولتین ۸ہر

سید سجاد حیدر بی اے

زہرا ۱۲ر
جلال الدین خوارزم شاہ ۸ہر
خیالستان ۸ہر
ثالث بخیر ۸ہر

حکایات و احتسابات ۸ہر

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

سراب فیشن ۸ر
بالشوک شہزادی ۸ر
شہید وفا ۸ر
ممتاز بیگم ۸ر
شعلۂ رنگین ۸ر
محاصرۂ پیرس عہ
شیخ چلی عہ
بہادر ترک ۸ر
بہرام کی واپسی ۸ہر
انقلاب فرانس ۸ہر
حسن بنارس ۸ر
نظرتی جاسوس ۸ر
ترکی حرم سرا ۸ر
جنگ طرابلس ۸ر
بہرام چور ۸ہر
زر پرست ۸ہر
کنجی کا راز ۸ہر
عبد الرحمن ناصر ۶ہر
عروس مصر ۶ہر
سیلاب خون ۸ہر
کرشمہ ۸ہر
وفادار دلہن ۸ہر
طواف زمین ۸ہر

سیاحت زمین ۸ہر
سیاحت عہ
نازنین مراکش ۸ر
سمندر کی سیر ۶ہر
اسرار بالشویزم ۸ہر
روح لیلیٰ ۸ر
امین بک ۸ہر
حجاج بن یوسف ۸ہر
یوسف پاشا ۸ہر
انقلاب عثمانی ۸ہر
نیلی چھتری ۸ہر
بہرام کی آزادی ۱۲ر
بہرام کی گرفتاری عہ
بہرام کی سرگزشت عہ
پراسرار قتل ۶ہر

ادبی کتابیں

مکمل شرح دیوان غالب ۸ر
بزم خیال عہ
مشاطۂ سخن عہ
انشار نسوان ۶ر
مکاتیب محسن الملک ۸ہر
لیلیٰ مجنون ڈراما ۸ر

مراثی

مراثی دبیر ۶ہر
مراثی انیس للعہ
مراثی ضمیر عہ

نگار بک ایجنسی
نظیر آباد لکھنؤ

مراثی مونس ۱۲ر
مراثی دلگیر ۱۲ر

تذکرۃ الشعرا

تذکرۂ حسینی ۱۱ر
گلشن ۱۰ر
سراپاے سخن عہ
سوانح نظیر اکبرآبادی عہ

دواوین فارسی

دیوان شمس تبریز ۸ہر
کلیات عراقی ۱۲ر
دیوان حافظ ۸ہر
دیوان نعمت خان عالی عہ
کلیات انوری ۶ہر
دیوان بے دل ۱۰ر
کلیات سعدی ۸ہر
دیوان عرفی ۱۲ر
کلیات جامی ۸ہر
کلیات غالب ۵ر
کلیات صائب ۱۲ر
کلیات حزین ۶ہر
دیوان عنصری ۱۴ر
دیوان ظہیر فاریابی ۶ر
دیوان غنی کشمیری ۶ر
دیوان ناصر علی ۵ر
دیوان ہلالی ۶ر
کلیات جلال اسیر ۸ہر

دواوین اردو

دیوان حسن دہلوی ۶ر
کلیات ظفر ۶ہر

کلیات مومن عہ
دیوان ناسخ ۸ہر
کلیات میر ۸ہر
کلیات سودا ۸ہر
کلیات انشا ۸ہر
کلیات نظیر اکبرآبادی عہ
گلزار داغ ۸ہر
دیوان رند ۹ر
دیوان ذوق ۱۲ر
کلیات اسمٰعیل ۶ہر
مراۃ الغیب عہ
صنمخانۂ عشق ۶ہر
فریاد داغ ۸ہر
دیوان قاتل ۸ر
دیوان شہیدی ۸ہر

عجائب و غرائب

عجائب المخلوقات تصویر رنگین
" باتصویر سادہ للعہ
مجمع الفنون ۸ر
طلسم فرنگ ۶ہر
کارخانۂ عالم ۸ر

رنالڈو کے ناولوں کے ترجمے

الہ دین ولیلیٰ ۱۲ر
فریب حسن ۶ہر
سوزن عشق ۸ہر
روز الیمبرٹ للعہ
ناول اسرار ۶ہر
شام جوانی ۸ہر
طلسمی فانوس ۱۲ر

تصانیف مولٰنا نیاز فتحپوری

صحابیات

جس میں عہد سعادت کے ۵۰ خواتین کے مستند حالات درج ہیں۔ اس کا مقدمہ مولانا کی خاص زبان و انشا میں ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے

قیمت فی جلد ۶ر

نگارستان

زیر طبع ہے

شاعر کا انجام

نیاز فتحپوری کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا فسانہ جو زورِ انشا اور حسن بیان کے لحاظ سے عجیب و غریب چیز ہے

قیمت مع محصول ۱۲ر

شہاب کی سرگزشت

اردو میں پہلا فسانہ ہے جس میں نفسیاتی تحلیل کے لحاظ سے سیرت نگاری کی گئی ہے۔ یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ اردو میں اس سے بہتر تخیل اور بلند انشا کا فسانہ کوئی شائع نہیں ہوا

قیمت فی جلد عمر

جذبات بھاشا

ہندی شاعری میں جو لوچ اور کیفیت ہے اس کا علم انھیں کو ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے اس زبان کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب کو دیکھئے اور جذبات و خیال کی پاکیزگی کی داد دیجئے

قیمت فی جلد ۱۲ر

تاریخ الدولتین

جرجی زیدان مصری مشہور مورخ اسلام کی تاریخ تمدن اسلامی کے ایک حصہ کا ترجمہ جس میں عہد بنی امیہ و بنی عباس کی سیاسی تاریخ پر بے مثل تبصرہ کیا گیا ہے۔

قیمت فی جلد عمر

علم فراست الید

یعنی ہات کی لکیروں کو دیکھکر ایک شخص کی سیرت اور اس کے ماضی و مستقبل کے حالات معلوم کرنے کا علم۔ اس فن پر ایک سلسلہ مضامین نگار میں شایع ہوا تھا۔ اب اسے خوبصورت جیبی سائز میں مرتب کیا جا رہا ہے اور آخر دسمبر ۱۹۲۸ء تک شایع ہو جائیگا۔ اسی کتاب میں اس فن کے تمام مشکلات اسقدر آسان زبان میں حل کئے گئے ہیں کہ ہر شخص مطالعہ کرنے کے بعد نہایت معمولی مشق سے ہات دیکھکر صحیح احکام صادر کر سکتا ہے

قیمت فی جلد عمر

ظریف شاعروں کا تذکرہ
یا
تذکرۂ خندۂ گل

اردو و فارسی کے جتنے ظریف شاعر گزر چکے ہیں یا اب موجود ہیں ان سب کے حالات مع ان کے لطائف و ظرائف اور نمونۂ کلام کے یکجا کر دئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے موضوع اور دلچسپی کے لحاظ سے اردو میں [illegible] ضخامت ۵۰۰ صفحات قیمت مع محصول للعہ

فلسفۂ مذہب

جو سلسلہ وار نگار میں شایع ہو چکا ہے زیر طبع ہے